مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

# ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.4 | فروری ۲۰۱۰ء (February2010) محرم، صفر ۱۴۳۱ھ | Issue.No.12

**زیر سرپرستی**

مرشد الامت حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

**مجلس مشاورت**

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی — الحاج موسیٰ بھائی درسوت
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام — مولانا محمد اختر قاسمی

**مجلس ادارت**

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

**چیف ایڈیٹر**: محمد مسعود عزیزی ندوی
**مدیر انتظامی**: حافظ عبدالستار عزیزی
**مدیر معاون**: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

**ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ**

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ”نقوش اسلام“ مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

**شرح خریداری**

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ..................... ۱۰/روپے
سالانہ ..................... ۱۰۰/روپے
خصوصی ...... ...... ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

**منیجر توسیع واشاعت**: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

Files\A017.TIF not found. Files\A003.TIF not found. Files\A017.TIF not found.

# اس شمارے میں


| عناوین | مضمون نگار | صفحہ |
|---|---|---|
| **اداریہ** | | ۳ |
| موجودہ حالات میں فلسطین کے...... | محمد مسعود عزیزی ندوی | |
| **تبرکات اکابر** | | ۷ |
| ملفوظات حضرت رائے پوریؒ | مولانا محمد حسین للہی | |
| **مشعل راہ** | | ۱۱ |
| طالبان علوم نبوت سے خطاب! | مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی | |
| **جائزہ** | | ۱۷ |
| عالم اسلام دشمنوں کے قبضے میں | ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی | |
| **تجزیہ** | | ۲۱ |
| علم کی حقیقی طلب کے چار بنیادی..... | مولانا محمد حذیفہ وستانوی اکل کوا | |
| **غور وفکر** | | ۲۷ |
| مسئلہ فلسطین اور ہندوستان | مولانا اسرار الحق قاسمی، دہلی | |
| **یاد رفتگان** | | ۳۰ |
| شہید ملت شیخ احمد یسٰین جو اسلام کا..... | مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی | |
| **دعوت توحید** | | ۳۲ |
| اللہ کی حاکمیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں | جناب خالد سلیم صاحب | |
| **سکون دل** | | ۳۳ |
| روحانی اور تربیتی ماحول میں شب گزاری | حمید اللہ قاسمی کبیر نگری | |
| **مسائل و فقہ** | | ۳۷ |
| تورق، وضاحت اور حکم | مولانا عبید اللہ ندوی نیپالی لکھنؤ | |
| **وقت کا پیغام** | | ۴۱ |
| علماء کے لیے انگریزی سیکھنا وقت کی...... | مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی | |
| **اظہار حقیقت** | | ۴۳ |
| جامعہ ہدایت جے پور ایک تعارف | مولانا سید محمد عدنان رحیمی | |
| **سیرت صحابہ** | | ۴۵ |
| انصار مدینہ کا نبی سے عشق | مولانا محمد عمر مجاہد پوری | |
| **حالات حاضرہ** | | ۴۸ |
| عالمی خبریں | حافظ عبد الستار عزیزی | |



**ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار**

| | | |
|---|---|---|
| ٹائٹل صفحہ آخر رنگین | (فل سائز)............ | ۳۰۰۰ |
| // // اول اندرونی | // // ............ | ۲۵۰۰ |
| // // آخر اندرونی | // // ............ | ۲۰۰۰ |
| صفحہ اندرونی | (فل سائز) ............ | ۱۰۰۰ |
| آدھا صفحہ اندرونی | ............ | ۶۰۰ |
| ¼ صفحہ // | ............ | ۴۰۰ |


○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰؍ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

**نوٹ:** شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔


**پرنٹر پبلیشر:** محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

**کمپوزنگ:** عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

# موجودہ حالات میں فلسطین کے حل کے امکانات

محمد مسعود عزیزی ندوی

''فلسطین'' ملک شام کے مغربی جنوبی حصے کو کہا جاتا ہے، یہ براعظم ایشیاء کے مغرب میں، بحرابیض متوسط کے ساحل پہ واقع ہے، اس کی حیثیت براعظم ایشیاء وبراعظم افریقہ کے درمیان ذریعہ ارتباط کی ہے، اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ یورپ سے بھی قریب ہے، اس کے شمال میں لبنان، شمال مشرق میں سیریا، مشرق میں اردن اور جنوب میں مصر واقع ہے، اس کی متعارف سرحدوں کے حوالے سے اس کا کل رقبہ ۲۷۰۰۰ (ستائیس ہزار) مربع کلومیٹر ہے، یہاں کی آب وہوا معتدل ہے، اور بحرابیض متوسط کا سارا خطہ ہی معتدل آب وہوا والا شمار کیا جاتا ہے، سرزمین فلسطین دنیا کے قدیم ترین تہذیبی علاقوں میں سے ایک ہے، جدید ترین دریافت کے مطابق ۹/ہزار سال قبل مسیح، استحکام وزراعت کی زندگی کی طرف سب سے پہلے انسان نے یہیں اپنی منزل طے کی تھی، اسی کی گود میں دنیا کا قدیم ترین شہر ''اریحا'' معرض وجود میں آیا تھا، یعنی ۸/ہزار سال قبل مسیح، ہنوز ارض فلسطین مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔

••••——————————••••

فلسطین ارض مقدس ہے، یہ قبلہ اول اور ثالث الحرمین ہے، قرآن مجید میں پانچ مرتبہ لفظ ''بارکنا'' اس جگہ کے لیے استعمال ہوا ہے اور پانچوں مرتبہ یہ لفظ شہر قدس سے متعلق ہے، نماز فرض ہونے کے بعد ۱۶/ماہ تک مسجد اقصی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی گئی، اسراء ومعراج کا واقعہ بھی اسی سرزمین سے متعلق ہے، اسی سفر میں رسول خدا نے تمام انبیاء کی امامت کی، یہ سرزمین انبیاء وصالحین کی پناہ گاہ رہی ہے، شہداء کے خون سے کوئی اسلامی سرزمین اتنی لالہ زار نہیں ہوئی جتنی سرزمین اسراء ومعراج ہوئی ہے، جہاں یہ سب حقائق ہیں اور اس کی برکتیں مسلمہ ہیں، وہیں یہ بھی المیہ ہے کہ یہ مقدس سرزمین آج دشمنوں کے نرغے میں ہے۔

••••——————————••••

فلسطین کے حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اسلامی دفاعی طاقت مادی اعتبار سے بھی اور ایمانی وروحانی اعتبار سے بھی دشمن کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس لیے جب تک تمام اسلامی طاقتیں ایمانی وروحانی اعتبار سے متحد وہم آہنگ نہ ہوں گی، اس وقت تک مسلمان خاص طور سے فسلطینی مسلمان اپنے خلاف خطرات ومشکلات پر صحیح طور پر قابو نہ پاسکیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ہوجائیں، بلکہ دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں:

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں ❁ ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

••••——————————••••

۶۳۶ء میں مسلمانوں کا اقتدار شہر قدس پر ہوا، پھر ۹۹۰ء تک مسلمانوں نے اس کے تقدس کی حفاظت کی، اس کے بعد عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء

میں اس شہر مقدس کی تمام حرمتوں کو پامال کرتے ہوئے قبضہ کرلیا، آخر ایک صدی کی وحشت ناکیوں کے بعد خاندان کرد کے ایک مرد مومن سلطان صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۷-۱۱۹۳ء) کے ہاتھوں ۱۱۸۷ء میں پھر ارض مقدس اس کے امینوں کے ہاتھوں میں آ گئی، یہ سلسلہ چلتا رہا، دشمنان اسلام سازشیں رچتے رہے (Tudar Herzel) ٹیوڈار ہرزیل نے ۱۸۹۷ء میں سوئیزرلینڈ میں پہلی بار یہودی وطن کے قیام کا منصوبہ پیش کیا اور آخرکار ۱۵/مئی ۱۹۴۸ء کو مملکت اسرائیل قائم ہوگئی، اس طرح ساڑھے سات سو سال بعد فسلطین صلیبیوں اور صہیونیوں کے اتحاد اور مشترکہ سازشوں اور مسلمانوں کی کمزوریوں کے نتیجے میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر جون ۱۹۶۷ء میں ان بدباطنوں نے قبلہ اول مسجد اقصی کو بھی اپنے غاصبانہ قبضہ میں لے لیا، یہ ایک بڑی تلخ کہانی ہے، آج مسجد اقصی پر قبضہ ہوئے بیالیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے، مسلمان اپنی غفلت و کمزوریوں کے باوجود کوشش میں لگے ہیں، خدائے پاک پھر اس کو آزاد کرادے، آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بالعموم اور طالبان علوم نبوت کو بالخصوص اس سانحہ کی تاریخ اور اسباب عروج زوال سے واقف کرایا جائے اور فلسطین کے مسئلہ کے حل نکالنے کی کوشش کی جائے، اسی مناسبت سے پورے عالم میں پروگرام منعقد کرائے جارہے ہیں، رسالے اور مضامین شائع کئے جارہے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو بیالیس سالہ غاصبانہ دور کے بارے میں واقف کرایا جائے اور قبلہ اول کی بازیابی کے لیے ان کی ذمہ داریوں کو بتایا جائے۔

---

دراصل مسئلہ فلسطین صرف فلسطینی مسلمانوں کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ یہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور مسلمانوں کا اس سے تعلق ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے مسائل سے غفلت اور ناواقفیت ایک مسلمان کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں، یہ اس وقت کا بہت حساس قضیہ ہے، اس کے حل کی ذمہ داری تمام اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، اس وقت مسلمان خواب غفلت میں ہے، جب یہ بیدار ہوجائے گا اور مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی ابھرے گا تو انشاءاللہ فتح وکامرانی مسلمانوں کی ہوگی اور دشمنان اسلام اور اس پاک سرزمین پر ناپاک عزائم رکھنے والے اور ناجائز قبضہ کرنے والوں کو منھ کی کھانی پڑے گی اور اس سرزمین سے ان کو اکھاڑ پھینکا جائے گا یا جہنم رسید کردیا جائے گا، فلسطین میں اسرائیلی ریاست کی تخلیق کی وجہ جواز کے طور پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فلسطین اصلاً یہودیوں کا قدیم وطن ہے، اس دلیل کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل فلسطین پہنچے تھے اور ابھرتے ڈوبتے انہوں نے وہاں اسرائیل کے نام سے ایک ریاست بھی قائم کی تھی، پھر گردش زمانہ نے ان کو ہمیشہ کے لیے وہاں سے جلاوطن کردیا، فلسطین میں مملکت اسرائیل کے جواز کے طور پر یہ دلیل بالکل غیر منطقی ہے، اس لیے کہ بیشتر انگریز مسیحی مؤرخین، عرب مؤرخین کی اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ یہودیوں سے پہلے یہاں عرب آباد تھے، اس کے علاوہ پوری انسانی تاریخ میں فلسطین میں یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے زمانہ قیام کا تجزیہ کیا جائے، تو اس سے بھی یہ بات واضح ہوجائے گی کہ مسلمان اور خصوصاً عرب مسلمانوں کا اس پر زیادہ حق ہے۔

---

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ چونکہ چھٹی صدی قبل مسیحی میں یہاں پر یہودی آباد تھے اور ان کی اسرائیل نامی ایک ریاست قائم تھی اور یہ کہ یہ سرزمین ارض موعودہ ہے، اس لیے یہودیوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو نکال کر خود بس جائیں، اگر اس منطق

کو مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خالق اسرائیل برطانیہ، انگلستان کو اس کے اصل باشندے سیل کے لیے خالی کر دے، امریکہ کو بھی ارض امریکہ اس کے اصل اور قدیم باشندوں سرخ ہندیوں کے لیے خالی کرنا پڑے گا، اس لیے کہ امریکہ نے ساڑھے آٹھ کروڑ سرخ ہندیوں کا قتل عام کر کے اس سرزمین کو ان سے چھینا ہے، اور جاپان کو بھی ارض جاپان اس کے قدیم باشندوں اینس کے لیے خالی کرنا ہوگا، اور اس طرح جدید عالم کا پورا نقشہ بدلنا ہوگا، اسپین کو بھی عربوں کے لیے خالی کرنا ہوگا، اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مشرق وسطی کے بحران کا واحد حل یہ ہے کہ اسرائیل کو تحلیل کر کے سرزمین فلسطین اس کے اصل باشندوں عربوں کو لوٹا دیا جائے، تاریخ نے آج ثابت کر دیا ہے کہ المیہ فلسطین کی اساس یا مملکت اسرائیل کا سب سے بڑا خالق ترکوں کے خلاف عرب بغاوت تھی، Balfour بالفور منشور مجوزہ ۱۹۱۷ء مملکت اسرائیل کی طرف پہلا قدم اور آج شرق اوسط بحران کی بنیاد ہے، لیکن ہم اس وقت یہ جائزہ لیں گے کہ جب یہ منشور صادر ہوا، اس وقت خلافت عثمانیہ کی کیا پوزیشن تھی، عرب قیادت کا اس میں کیا رول تھا، بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس بحران کا خالق اصلاً عرب قیادت ہی تھی۔

••••——————••••

یورپ بلکہ ایشیاء اور شرق اوسط سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی سازش مسیحی قوتیں صدیوں سے کر رہی تھیں، پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے یورپ نے ترکی کے خلاف محاذ کھول دیا تھا، جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، متحدہ بلقان، بلغاریہ، سربیا اور یونان میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرائی گئی، ۱۹۰۴ء سے ۱۹۴۰ء تک یورپ کے اکثر خطے ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے، ایسے حالات میں ترکوں کی شاندار خدمات، خلافت عثمانیہ کے ذریعہ اسلام کی بالادستی، خلفاء ترکی کا حرمین کی طرف انتساب پر فخر اور یورپین ممالک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کے عزم کا تقاضہ تو یہ تھا کہ پورا ملک عرب بیک آواز ترکی کی حمایت کے لیے کھڑا ہو جاتا؛ لیکن برا ہو قومی عصبیت اور سلطنت و ریاست کی حرص و طمع کا، جس نے عرب قیادت کے سربراہ شریف مکہ کو مجبور کیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ ترکوں کی حمایت نہ کریں بلکہ ترکوں کے خلاف بغاوت، خلافت عثمانیہ کے خاتمہ اور ترکوں کو تہ تیغ کرنے کے لیے سازش کریں اور ترکوں کو زیر کرنے کے لیے برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کو دعوت دیں، ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک شریف مکہ اور برطانیہ کے درمیان شریف مکہ کے تینوں بیٹے سفارت کا کام کرتے رہے، برطانوی فوجی ملازم لارنس آف عربیہ ایک طرف برطانیہ کا جاسوس تھا، دوسری طرف وہ عربوں کا دوست ناصح بنا بیٹھا تھا، وہ عربوں کی سرگرمیوں کی رپورٹ برطانیہ کو دیتا اور پھر ان کی ہدایت و ایماء کے مطابق فیصلے کرنے پر عرب قیادت کو مجبور کرتا، شریف مکہ کو یہ باور کرایا گیا کہ ترکوں کے خاتمہ کے بعد ایک آزاد عرب خلافت ان کے حصہ میں آئے گی، چنانچہ عرب قیادت کھل کر ترکوں کے خلاف میدان میں آ گئی، یورپین محاذ پر ترک ایسے ہی زخم خوردہ تھے، عرب بغاوت نے ان کی کمر توڑ دی اور آخر کار بالفور منشور سے چند دن پہلے برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور مجبوراً ۸/دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترکوں کو فلسطین سے نکلنا پڑا، اس لحاظ سے اگر بالفور منشور مملکت اسرائیل کی بنیاد ہے، تو عرب غلط قیادت بالفور منشور کے وجود کا سبب ہے، اس عرب اور یورپ دوستی کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ شریف مکہ کو جس آزاد ریاست کا خواب دکھلایا گیا، وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا، عرب قیادت کی یہ ایسی تاریخی غلطی ہے جس پر تاریخ اس کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

••••——————••••

فلسطین کا مسئلہ اس وقت تک ناقابل حل رہے گا جب تک عرب قیادت شریف مکہ جیسے لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی، خود فلسطین میں ایسے لوگ اپنی قیادت کو ثابت کریں گے جن کا اسلام اور فلسطینی مسلمانوں کی ہمدردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اور مملکت اسرائیل اس وقت تک

پھلتا پھولتا رہے گا، جب تک لارنس آف عربیہ جیسے غدار جاسوس مسلم قیادت کا مشیر اور خیر خواہ بنا رہے گا، جائزے، تجزیئے اور رپورٹیں موصول ہورہی ہیں، کہ مملکت اسرائیل اندرونی طور پر بکھر رہا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں، اور اس کا ظلم اور اس کی بربریت اور جارحیت حدوں کو پار کرکے آسمانوں کو چھورہی ہے، اس لیے "وللّٰہ جنود السمٰوات والأرض" خالق کائنات مداولت فی الارض کے قانون کے تحت مملکت اسرائیل کو لحہ بہ لحہ زوال کے قریب لے جارہا ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ مستقبل کا مؤرخ ہمارا اور موجودہ عرب وغیر عرب مسلم قیادت کا شمار کس فہرست میں کرے گا، شریف مکہ یا لارنس آف عربیہ کی فہرست میں، یا پھر ان غیوروں کی فہرست میں جن کو تاریخ شہرت دوام کا تاج زریں عطا کرتی ہے، یہ فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، اور یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ فلسطین کی آزادی، مسجد اقصی کی بازیابی، شہر قدس کی واپسی اور فلسطینیوں کی اپنے گھروں میں آبسنے اور چین سے دوبارہ رہنے کے خواب کی تعبیر صرف اور صرف جہاد مقدس، مخلصانہ مزاحمت اور سرفروشانہ جدو جہد ہی سے نکل سکتی ہے، اس کے سوا سارے راستے گہری کھائی میں جاکر گرتے ہیں، جس میں لڑھک جانے کے بعد اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں، یہ ایسی سچائی ہے جو نہ صرف یہود و اہل صلیب کے حوالے سے، مسلمانوں کے تاریخی تجربے سے ثابت ہے بلکہ فلسطین کے اس مسئلے کا از اول تا آخر جائزہ (جو یہود و اہل صلیب کی یگانگت اور فرزندان اسلام اور خود اسلام کے تئیں ان کی نہ ختم ہونے والی عداوت کی کوکھ سے پیدا ہوا تھا) بھی اسی حقیقت کی اتنی بار اور اتنے طریقوں سے تصدیق کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔

اس لیے فلسطین کے حل کے امکانات اسی صورت میں ہیں جب کہ مذکورہ لائحہ عمل کو اپنایا جائے اور مسلمان اپنی زندگی میں مکمل طور پر اسلام اور ایمان کو جگہ دے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے "وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" کہ تم ہی سربلند ہوں گے اگر تم سچے پکے مسلمان ہو، پھر کیا بات ہے کہ مسلمان اتنے دن سے مزاحمت کررہا ہے، لیکن کامیابی نہیں مل رہی ہے، اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سربلندی اور کامیابی کے لیے جس ایمان کی ضرورت ہے، اس سے مسلمان عاری اور خالی ہیں، رہا مسئلہ مسلم حکمرانوں اور اسلامی حکومتوں کا، تو اگر تجزیہ کیا جائے، تو وہاں بھی ایمان والے ہتھیار کی کمی ہے، ورنہ کیا بات ہے کہ مٹھی بھر اسرائیل، مٹھی بھر یہودی دنیا بھر کے ایک ارب سے متجاوز مسلمانوں کے لیے سر درد بنے ہوئے ہیں، کیا مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں اور مسلم حکمرانوں کے پاس مادیت کی کمی ہے؟ یا فوج کی کمی ہے؟ یا اسلحہ اور ہتھیاروں کی کمی ہے؟ یا اعلی دماغ کی کمی ہے؟ نہیں! نہیں! کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو ایمان کی، اللہ پر ایمان پختہ نہیں، اللہ پر توکل مکمل نہیں، اللہ کی ذات پر بھروسہ نہیں، مادی چیزوں پر ایمان ہے، امریکہ پر ایمان ہے، مصلحت بینی پر ایمان ہے، اگر بدر میں اللہ تعالی مٹھی بھر صحابہ کو کافروں کے ایک مسلح جتھے اور لشکر جرار کے سامنے فتح کرسکتا ہے، تو دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کی ایمانی غیرت کہاں چلی گئی: ؎

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا ❁ آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

دیکھئے مسائل کے حل کے لیے سیاسی اور فوجی طاقت بھی ضروری ہے، جہد مسلسل اور جہاد و قربانی کی بھی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے باہم متحد ہونے کی بھی؛ لیکن یہ سب تفصیلات اور تشریحات ہیں، اصل اور کلیدی ضرورت قوت ایمانی اور کامل ایمان کی ہے، جب ایمان کامل ہوگا تو ساری چیزیں اپنی ڈگر پر صحیح آجائیں گی اور دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو مٹا نہیں سکے گی، یہ دور مسلمانوں کے امتحان کا ہے، جس میں وہ فیل ہورہے ہیں، اگر یہ اپنے امتحان میں پاس ہوجائیں، تو دنیا کی کوئی طاقت ان کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتی، اور ایک فلسطین ہی نہیں مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہوجائے گا، انشاءاللہ ❁❁❁❁❁

تبرکات اکابر

# ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

ترتیب: مولانا محمد حسین للہی خلیفہ حضرت رائے پوریؒ

**قلب میں نور کیسے پیدا ہوگا؟:**

ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا کہ قلب میں نور پیدا ہونے کی کیا علامات ہیں اور ذکر کے مؤثر ہونے کی کیا علامات ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ ذکر سے اس قدر انس ہو جائے کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے، یہ علامت ہے اس بات کی کہ قلب میں نور پیدا ہو گیا ہے، لوگوں کو معلوم نہیں کہ تصوف کو کیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ تصوف کا مطلب یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح ہونے لگے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ''ان تعبد اللّٰہ کأنك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك'' یعنی تو اس طرح عبادت کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا خیال کرنا ممکن نہ ہو تو یہ خیال کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور فرمایا کہ صرف چلوں اور مجاہدوں کا نام تصوف نہیں ہے، یہ تو ہندوؤں میں بھی ہے، راؤ عطاء الرحمٰن نے ہمارے سامنے بیان کیا تھا کہ ہم نے جوالا پور کے قریب ہریدوار میں دیکھا کہ دوڈھائی سو ہندو سمادھی لگائے بیٹھے تھے۔

**سمادھی کس چیز کو کہتے ہیں:**

حضرت نے فرمایا سمادھی کہتے ہیں مراقبہ کو، ہندو لوگ بھی مراقبہ اور مجاہدہ کرتے ہیں، جوگی لوگ اپنے ہر عمل کو مراقبہ ہی کہتے ہیں، جوگی دو قسم ہوتے ہیں، بعض تو سفر میں رہتے ہیں، تین دن سے زیادہ کہیں نہیں ٹھہرتے اور بعض ہمیشہ ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے ہیں، چلنا ان کے لیے منع ہے، ایک ہندو کو ہریدوار میں دیکھا کہ وہ ہر وقت کھڑا رہتا ہے، بارہ سال میں اس کا مجاہدہ پورا ہو جائے گا، اسے ناف تک ورم آ چکا ہے، اس کے سامنے ایک رسی تنی رہتی ہے، زیادہ تکلیف ہوتی تو اس پر پیٹ رکھ کر تھوڑا سا جھول لیتا تھا، میں نے کہا اس کو تو ناف تک ورم آ گیا ہے، لوگوں نے کہا اس کی سمادھی ختم ہونے کے بعد یہ ورم تو فوراً چلا جائے گا، اس کے بعد یہ ہوگا کہ اس کی نگاہ میں بڑی تاثیر پیدا ہو جائے گی اور جس پر توجہ ڈالے گا اسے اپنا تابع کر لے گا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اگر ان چیزوں کا نام تصوف ہو، تو پھر اسلام اور کفر میں تمیز ہی کیا ہے، ہندوؤں نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ مسلمانوں نے تصوف ہم سے سیکھا ہے، ایک ہندو جس نے کئی چلے کر رکھے تھے، میرے پاس آیا کہنے لگا آپ فلاں آسن پر بیٹھا کریں، جی الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا محتاج نہیں کیا، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس آسن کے بغیر ہی فضل فرما دیا ہے، فرمایا ان لوگوں کا دعویٰ غلط ہے، جس چیز کو وہ تصوف سمجھتے ہیں، اسلام میں وہ تصوف نہیں ہے، بقول حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ''آئینہ اگر زنگ آلود ہو اور پیشاب سے صاف کیا جائے تو بھی صفائی آ جاتی ہے اور اگر صاف پانی یا عرق گلاب وغیرہ سے صاف کیا جائے تو بھی صفائی آ جاتی ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے اور یہ پاک ہے''۔

**گناہ کی سزا دنیا میں:**

حضرت نے فرمایا ہمارے چچازاد بھائی تھے مولوی سعداللہ صاحب ان کو سخت قسم کی بواسیر تھی، ایسی بواسیر کہیں دیکھنے میں نہیں آئی، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دست آتا تھا اور دست میں چیخیں نکلتی تھیں اور کہتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انگارے پر بیٹھا ہوں، پھر تھوڑی دیر

کے بعد دست آتا اور ایسی ہی حالت ہوتی، جب یہ کیفیت بڑھتی تو زبان سے کفریہ کلمات کہتے تھے، لوگ کہتے کہ ایسے کفر کے کلمے نہ کہا کرو، وہ کہتے کہ اب اللہ تعالی میرے ساتھ اور کیا کرے گا، آسمان سے زمین پر گرادیا، جب بواسیر کی یہ کیفیت ہوتی تو کہا کرتے کہ وہ حالت کیسی اچھی تھی کہ میں تندرست تھا، کھانا پورا کھالیتا تھا، میں نے کہا کہ میں نے تو آپ کی اسی حالت میں اللہ تعالی کا قادر او مختار کل ہونا سمجھا، ایسا لگتا ہے کہ آپ سے ضرور کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، آدمی سچے تھے کہہ دیا ہاں! ضرور ایک گناہ ہوا ہے، ہم چار آدمی ایک نواب کے مصاحب تھے، ان کے یہاں دستور تھا کہ نواب صاحب کے رشتہ داروں میں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کے نام کچھ زمین اور تنخواہ مقرر کردی جاتی تھی، انہوں نے سوچا کہ اس طرح تو ساری زمین تقسیم ہو جائے گی، لہٰذا نواب صاحب نے ہم چاروں کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور کہیں زمین میں دفن کر دیا جائے، اب میں تو اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔

**ذکر کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب حلال کھانا ہو:**

حضرت نے فرمایا ذکر کے اثرات تب ہی مرتب ہونگے جب کہ کھانا حلال کا ہو، حدیث شریف میں آیا ہے "مطعمه حرام، اشربه حرام وملبسه حرام فانی یستجاب له" یعنی کھانا پینا اور لباس حرام کا ہو تو دعا وعبادت کیسے قبول ہو، حضرت نے فرمایا کہ اپنے حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) کو بارہا دیکھا کہ کھانا کو قے کر دیتے تھے، کیونکہ مشتبہ کھانا حضرت کو ہضم نہیں ہوتا تھا، انجان میں اگر کھا بھی لیتے تو فوراً قے ہوجاتی، ایک دفعہ محلہ کے ایک رئیس نے دعوت کی، حضرت نے بہت عذر کیا، لیکن اس نے نہ مانا اور بہت اصرار کیا، آخر کار حضرت نے اس کی دلداری کے لیے منظور فرمالیا تا کہ اس کی دل شکنی نہ ہو، جب کھانا کھا کر مکان پر تشریف لائے تو سب قے کر دیا اور اوپر سے گرم پانی پی کر اچھی طرح پیٹ صاف کر دیا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ رئیس سود لیا کرتا تھا۔

**اللہ کے یہاں متقی بندہ محبوب ہے:**

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کے متعلق حضرت اقدس نے پوچھا کہ یہ کون ہے، اس نے کہا میں موچی ہوں، جوتے سیا کرتا ہوں اور کوئی دوسرا کام بھی کر لیتا ہوں، ایک اور شخص کے بارے میں ذکر ہوا کہ وہ نائی یا جولاہا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے مریدین میں کوئی موچی ہے، کوئی نائی ہے، کوئی جولاہا ہے۔

حضرت نے فرمایا نام ونسب اور قوم سے کچھ نہیں ہوتا، جب اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے تو سب کو قبول کر لیتی ہے اور جو لوگ ذاتوں اور قوموں پر فخر کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں، فرمایا "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اللہ کے یہاں تقوی کا اعتبار ہوتا ہے خواہ کسی قوم سے ہو۔

**انگریز مسلمانوں کا کھلا ہوا دشمن ہے:**

حضرت نے فرمایا انگریز مسلمانوں کا سخت دشمن ہے، اس نے قصداً تقسیم ملک میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، لیکن ہمارے مسلمان ایسے سیدھے ہیں کہ ان کی بات کو بھی مان لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ پٹھانکوٹ، حصار، فیروز پور، سب جگہ مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر اس ظالم نے یہ سب اضلاع ہندوؤں کو دیدیا، حالانکہ مسلمانوں کو ملنے چاہئے تھے، جو افسر تقسیم پر متعین تھا اس نے صاف کہا تھا کہ لاہور لے کر کیا کرو گے، پٹھان کوٹ لو، یہاں سے سیدھا راستہ کشمیر کو جاتا ہے۔

مزید حضرت نے فرمایا دریا ایک بھی مسلمانوں کے پاس نہیں، سب کے منابع ہندوستان میں ہیں، اگر وہ ادھر سے پانی بند کرلیں تو ان کے پاس نہیں آسکتا اور ہمارے مسلمان ایسے سیدھے ہیں کہ کہنے لگے تقسیم تو ہوجائے، پانی کا فیصلہ بعد میں کرلیں گے، حالانکہ یہ پہلے کرنا چاہئے تھا، ابھی حال ہی میں ایک انگریز کا خط ہندوستان کے ایک جج کے پاس آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ ہندوستان کا ملک اب ہمارے قابو سے باہر ہو چکا ہے اور اب موقع ہے مسلمان سے بدلہ لینے کا۔

یہ خط حضرت مدنی (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) نے بھی پڑھا تھا اور اخبار میں شائع ہوا تھا، حضرت مدنی نے تقسیم سے

پہلے فرمادیا کہ فسادات ہوں گے اور اس قدر نقصان ہوگا، بالکل اسی طرح ہوا جیسا کہ حضرت مدنی نے فرمایا تھا۔

**دین کے نام سے الگ جماعت بنانا:**

حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ تبلیغ کے نام سے یا دین کی خدمت کے نام سے الگ جماعتیں بناتے ہیں، اس سے مسلمانوں میں تفریق اور پارٹی بندی پیدا ہوتی ہے، ابتداء میں تو کہتے ہیں کہ ہم دین کی خدمت کررہے ہیں، لیکن بالآخر دوسروں کو کافر کہنے لگتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا مرزائیوں کو دیکھو، ابتداء میں کہتے تھے کہ ہم اسلام کی صحیح خدمت کررہے ہیں، اب دیکھوان میں اور ہم میں کتنا فرق ہے، کفر واسلام کا فرق ہے، میں نے ابتداء میں حکیم نورالدین سے ملا تھا، اس سے پوچھا آپ نے الگ جماعت کیوں بنائی ہے، کہنے لگا کہ ہم آریوں اور ساجیوں کو متحد بنانا چاہتے ہیں، لیکن آخر میں اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر کہنے لگے، ایسا ہی مودودی صاحب کی جماعت ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ چرب لسانی اور عبارت آرائی سے کچھ کام نہیں ہوتا، تکلف اور بناوٹ سے دین کی خدمت نہیں ہوتی، یہ لوگ غیر مقلد بھی ہیں، کہتے ہیں ہم سلطنت کریں گے، حالانکہ اتنا نہیں جانتے کہ یہاں اسلامی سلطنت کبھی نہ ہوگی اور اگر ہوئی تو مسلمانوں کی سلطنت میں وہی قانون ہوگا جو نصاری کا ہے، ان کو معلوم نہیں کہ آج کل کوئی چھوٹی سلطنت کسی بڑی سلطنت کے ساتھ چلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، جب پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے تو امریکہ یا یورپ کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوگا اور یہ محتاج ہے، جب ان کے ساتھ ہوگا تو پھر قانون بھی انہی کا ہوگا، فرمایا یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ملک مل گیا، حالانکہ انگریز نے ان کو قصداً تقسیم کرکے دیا ہے تاکہ لڑتے رہیں، چنانچہ کشمیر کا جھگڑا درمیان میں چھوڑ کر چلا گیا، اب یہ کہتے ہیں ہمیں ملے، ہندوستان والے کہتے ہیں کہ ہمیں ملے، اسی طرح ہمیشہ جھگڑا رہتا رہے گا، پھر مودودی جماعت کے متعلق فرمایا کہ جیسا کہ مرزائی کہتے تھے کہ ہم دین کی خدمت کرتے ہیں اور پھر ایک فرقہ بن گیا، حتی کہ کفر واسلام کا فرق ہوگیا، ایسا ہی مودودی جماعت کے لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا اختلاف کریں گے کہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہنے لگیں گے۔

**خضرعلیہ السلام کا مرتبہ زیادہ یا موسی علیہ السلام کا:**

حضرت سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت موسی علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ حضرت خضرعلیہ السلام کے پاس جائیں اور ان سے علم سیکھیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضرعلیہ السلام کا مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام سے زیادہ ہے؟

حضرت خضرعلیہ السلام کے علوم، حضرت موسی علیہ السلام کے علوم کے مقابلہ میں معمولی ہیں، حضرت موسی علیہ السلام کے پاس تو شریعت کے علوم تھے جو بہت بلند پایہ ہیں اور حضرت خضرعلیہ السلام کے علوم مکشوفات کونیہ سے متعلق ہیں، جو معمولی علم ہیں، حضرت خضرعلیہ السلام اگر حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان نہ لاتے اور ان کی شریعت کا اتباع نہ کرتے تو مسلمان بھی نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے اور کسی صاحب شریعت نبی کے زمانے میں کوئی شخص جب تک اس شریعت کا اتباع نہ کرے اور اس نبی پر ایمان نہ لائے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، اسی لیے وہ ان کو بار بار ٹوک دیتے تھے اور فرماتے "لقد جئت شيئاً نكرا" حضرت موسی علیہ السلام کو ان جیسے علوم کے نہ ہونے سے ان کے کمال میں کوئی فرق نہیں آیا اور جہاں تک حضرت موسی علیہ السلام کو حضرت خضرعلیہ السلام کے پاس ان علوم کے سیکھنے کے واسطے بھیجنے کا تعلق ہے تو اس میں ایک حکمت تھی کہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ روئے زمین پر اس وقت سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ تو فرمایا کہ میں ہوں، اس پر تنبیہ کی گئی کہ ایسے علوم بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔

**اپنے قلب کی حفاظت کیاکرو:**

حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں بہت سے آدمی حاضر ہوئے اور بے شمار مخلوق کا ہجوم تھا، آپ کے دل میں خیال گزرا کہ میں شیخ وقت ہوں، فوراً ایک دھکا لگا، ساری رات پریشان رہے، نیند نہیں آئی، صبح کو جنگل کی طرف نکلے، ایک شخص اونٹ

پرسوار نظر آیا، قریب آیا تو کہنے لگا اے بایزید چار ہزار میل سے آ رہا ہوں اور اب سورج نکلتے وقت یہاں پہنچا ہوں، ایک آنکھ کانی ہے اگر کھول دوں تو سارے جہاں کو غرق کردوں، پھر فرمایا بایزید اپنے قلب کی حفاظت کیا کرو۔

**تصوف نام ہے اخلاق حسنہ کے آنے کا:**

حضرت نے فرمایا انسان میں جب تک مسکینی رہتی ہے تب تک ترقی ہوتی رہتی ہے، جب انسان کے دل میں یہ آیا کہ میں بھی کچھ ہوں تو بس وہیں رہ گیا، مشائخ کے پاس لوگ اسی لیے آتے ہیں کہ رذائل نکل جائیں اور فضائل پیدا ہوجائیں، شیخ طبیب ہوتا ہے، وہ سالک کے حالات پر نظر رکھتا ہے، مثلاً بخل ایک رذیلہ ہے وہ نکل جائے سخاوت پیدا ہوجائے، خودستائی وخودنمائی کے بجائے اپنے عیوب پر نظر ہوجائے، ذکر کرنے سے قلب میں انشراح پیدا ہوتا ہے اور اپنے عیوب پر نظر پڑتی ہے، ورنہ دوسروں کے عیوب تو نظر آتے ہیں اپنے عیوب نظر سے اوجھل ہوجاتے ہیں، اس لیے ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرے اور انعام خداوندی سمجھے کہ اللہ تعالی اگر فضل وکرم نہ فرماتا تو میں کہیں کا بھی نہ رہتا، لوگ تصوف کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں، تصوف نام ہے اخلاق حسنہ کے آجانے کا، جو بغیر صحبت شیخ کامل میسر نہیں آتے۔

**وقت پر کوئی کام نہیں آتا، اس لیے اللہ سے تعلق جوڑو:**

حضرت نے فرمایا اگر ہم موجودہ حالات سے ہی سبق لیتے اور مراقبہ کرتے تو اس میں بھی بڑا سبق تھا کہ جب ''اپنی کرنی اپنی بھرنی'' ہی ٹھہری تو اپنوں کی خاطر اپنی عاقبت نہ خراب کرتے، کوئی وقت پر کام نہیں آتا، باپ نہ بھائی، نہ بیٹا نہ بیٹی، خواہ کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، دکھ درد کے وقت کام نہیں آتا، ملک کی تقسیم کے وقت سب کچھ کھل کر سامنے آگیا، لہٰذا اپنے اللہ سے تعلق جوڑو، اس کو اپنا خیرخواہ یقین کرو، کسی پر بھروسہ نہ کرو، بس اسی کی ذات پر توکل کرو، آخر اسی کی طرف واپس جانا ہے، تو جیتے جی کیوں نہ اس کے ہو رہے، اگر زندگی میں ملائکہ سے تعلق ہوگیا تو قبر میں مانوس رہے گا، ان شاء اللہ تعالی اس کو قبر میں وحشت نہ ہوگی، نہ منکر نکیر کے سوال وجواب سے گھبرائے گا، کیونکہ رب العالمین پر پہلے ہی ایمان ہے، اگر رب العالمین پر دنیا میں یقین ہے، یعنی یہ یقین کرتا ہے کہ میرا رب مجھے روزی پہنچاتا ہے، میرے کرنے نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، آسمان سے روزی اترتی ہے، یہ یقین پیدا کرلے تو پھر اس کو آخرت میں کیا ڈر ہے، ہمیں تو خدا تعالی پر اتنا بھی اعتماد وتوکل نہیں ہے جتنا مہمانوں کو میزبان سے ہوتا ہے، جتنا چھوٹے بچے کو ماں باپ پر ہوتا ہے، ہم تو باوجود ایمان لانے کے یہ اعتماد ہی نہیں کرتے کہ ہمارا کوئی رب ہے جو ہماری روزی کا وعدہ کرتا ہے، نہ آخرت میں بازپرس پر یقین ہے، بے عملی کی زندگی تب ہی تو گزارتے ہیں، اس کو بخشنے والا مانتے ہیں، یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ غفور الرحیم ہے، لیکن اس نے ہم پر عبادت بھی تو فرض کردی ہے، اس کو ماننا بھی تو فرض ہے، اس لیے ہم کو یقین نہیں آتا کہ عبادت کریں گے تو بخشے جائیں گے، نیکی کرنا فرض ہے اور شرک وکفر اور گناہوں سے بچنا بھی فرض ہے، ایمان نام ہے بےخوب ورجا کے بین بین رہنے کا، نیکی کرے اور اس کے رحم وکرم سے امید رکھے اور اس سے ہر وقت ڈرتا رہے، بندہ کو ہر حال میں اپنی بندگی کے اقرار کے بغیر چارہ کار نہیں ہے، لیکن اپنے اعمال پر اترانا نہ چاہئے ورنہ مارا جائے گا۔

**اللہ کے یہاں قلب سلیم کام آئے گا:**

حضرت نے فرمایا کہ پانی پت کے ایک مشہور قاری اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ایک دفعہ حضرت کی خدمت اقدس میں تشریف لائے، حضرت نے فرمایا، قاری صاحب کچھ سناؤ، قاری صاحب جب سناچکے تو فرمایا کہ یہ قرأت کا سلسلہ پانی پت کے بڑے قاری صاحب (جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب) سے چلا ہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ انتقال کے بعد کیا گزری، انہوں نے فرمایا کہ یہاں قرأت کی پوچھ نہیں یہاں تو قلب سلیم کی پوچھ ہے۔ ❁❁❁

مشعل راہ

# طالبان علوم نبوت سے خطاب!

ارشادات: مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ.........................ترتیب: مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی

**النادی العربی کے طلبہ سے خطاب:**

پیارے بچو! سب سے پہلے میں نے عربی میں بات پیش کی، آپ کو یہ توقع ہوگی کہ اس سلسلہ میں جو بھی گفتگو کی جائے عربی میں کی جائے، تو ایسا ہوسکتا تھا لیکن وقت کی کمی اور زیادہ فائدہ کے مدنظر یہ رائے ہوئی کہ اردو میں ہی خطاب کیا جائے اور ''النادی العربی'' کے جلسے ہوتے رہیں گے انشاء اللہ، اس میں آپ عربی میں مختلف لوگوں اور اپنے ساتھیوں سے سنیں گے''النادی العربی'' کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے ان مدارس کے لیے ایک امتیازی حیثیت رکھنے والی چیز ہے، عربی زبان کا اہتمام کیا جائے اور اس کو لکھنے اور بولنے کی بھی مشق کی جائے، صرف پڑھ لینے کی مشق کافی نہیں ہے، ہندوستان میں عربی زبان کے ساتھ عام طور پر یہ سلوک کیا جاتا رہا ہے کہ پڑھ لیا جائے، سمجھ لیا جائے کافی ہے، لیکن یہ ایسا ہے جیسے کہ انسان اپنی عام زندگی میں بول نہ سکتا ہو، اپنی بات دوسروں سے نہ کہہ سکتا ہو، اشاروں میں اپنی بات کہے تو ظاہر ہے کہ وہ فائدہ نہیں ہوگا جو زبان سے کہنے میں ہوتا ہے، ہم اپنی ضرورت کو، اپنی تکلیف کو، اپنی دشواری کو، اپنے الفاظ میں اور زبان سے بیان کریں تو زیادہ سمجھ میں آئے گی، بہ نسبت اس کے کہ ہم اشاروں سے کہیں کہ ہمیں تکلیف ہے، اسی طرح عربی زبان اگر ہم پڑھ لیتے ہیں، سمجھ لیتے ہیں اور اس کے آگے ہماری صلاحیت نہیں ہے، تو اپنی بات ہم دوسروں تک پہنچا نہیں سکتے اور اپنی تکلیف اور ضرورت کا اظہار نہیں کرسکتے، اس کمی کی وجہ سے ہمارے ملک کے علماء کا تعارف باہر بہت کم ہوا، اور یہاں علماء کی جو محنتیں ہیں اور جو کام ہیں دین کی خدمت اور دین کی نصرت کا، باہر اس کا بھی تعارف نہیں ہوسکا۔

**عربی زبان پر توجہ دیجئے:**

یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ ہمارے علماء کی جو محنتیں ہیں سب عیاں ہیں، مگر باہر ممالک میں ان کی محنتیں اور ان کی خدمات بہت کم ہیں، مگر اب وہاں پر ہمارے علماء کی پزیرائی بھی ہوتی ہے، اور ان کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس کی مثال مولانا تقی الدین صاحب ہیں، ان کو لوگ مانتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کی قدر کرتے ہیں، کیونکہ عربی میں ان کا کام سامنے آرہا ہے، اور لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کیسا اہم کام یہ انجام دے رہے ہیں، لیکن اگر اس کام کو نہ کرسکتے خود بڑے صاحب علم ہوتے، علم کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتے اور رکھتے بھی ہیں ماشاء اللہ، لیکن وہ سامنے نہ آتا تو لوگ کیسے پہچانتے کہ ان کی کیا شخصیت ہے، ان کا کیا مقام ہے، ان کی کیا خدمات ہیں، اس لئے ہماری بات اگر دوسرا نہ سمجھے تو وہ ہماری قدر نہیں کرسکتا، ہمارے کام کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا، اس لیے عربی زبان کی مشق بولنے اور لکھنے کی بھی ہونی چاہئے، صرف پڑھ لینے اور سمجھ لینے کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے پورا کام نہیں چلتا، خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ دنیا سمٹ گئی ہے اور کوئی شخص اب محدود نہیں رہ گیا ہے، تو بات کو اپنی زبان سے ادا کرنا اور اچھی طرح سے ادا کرنا، اپنے قلم سے اس کو ادا کرنا، یہ ایک اہم ضرورت ہے، اس لیے''النادی العربی'' کی اہمیت کو آپ سمجھئے، اس کے پروگراموں میں شریک ہوں اور اس سے یہ فائدہ اٹھائیے کہ آپ میں عربی بولنے اور لکھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

اس سے ہٹ کر مدرسہ کی ضرورت اور اہمیت ہے، یہ بات اصلاً آپ کو بتانے کی نہیں ہے، اس لیے کہ جب آپ عربی مدرسہ میں

پڑھنے کے لیے آئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ورنہ یہاں کیوں آتے، عربی مدرسہ میں کیوں آتے، پھر اس کے بعد آپ نے اس مدرسہ کا انتخاب کیا ہے، یادرکھئے مدرسہ کا لفظ عمومی ہے، اس میں جامعہ بھی آجاتا ہے، ابتدائی مکتب بھی آجاتا ہے، مکتب کو بھی مدرسہ کہتے ہیں اور جامعہ کو بھی مدرسہ کہتے ہیں، جہاں علم کی خدمت ہورہی ہو، علم حاصل کیا جارہا ہو اس کو عربی میں مدرسہ کہتے ہیں، ظاہر ہے علم مکتب میں بھی حاصل کیا جاتا ہے اور مدرسہ میں بھی حاصل کیا جاتا ہے، اس لفظ کو عام معنی میں استعمال کررہا ہوں تو آپ اس مدرسہ میں کیوں آئے، آپ اس کی خصوصیت سمجھتے ہوں گے اور یہاں پڑھنے میں کچھ فائدہ محسوس کرتے ہوں گے، تو آپ نے کئی معنوں میں صحیح انتخاب کیا، ایک تو یہ کہ جو یہاں کا نصاب ہے وہ بہتر سے بہتر اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق رکھا گیا ہے، پھر اس کے جو سربراہ ہیں، اس کے جو مؤسس ہیں ان کا دنیا کے اہل علم سے، دنیا کی علمی مجالس سے، دنیا کے جو بڑے سے بڑے علمی ادارے سے ربط ہے اور علمی کاموں سے ان کا اشتغال ہے تو وہ خود اپنی جگہ پر مدرسہ ہیں، مدرسہ کے مؤسس ہیں اور خود بھی اپنی ذات سے مدرسہ ہیں، ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی ذات سے ادارہ ہوتا ہے، ایک تو ادارہ ہوتا ہے جو مختلف افراد کے جمع ہونے سے آپس کے تعاون سے چلتا ہے اور بعض وقت کوئی شخص اتنا ترقی کرجاتا ہے، علم کے مختلف گوشوں کو اتنا جمع کرلیتا ہے کہ خود وہ اپنی ذات سے مدرسہ بن جاتا ہے، تو اس مدرسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سربراہ ایسے صاحب علم ہیں جن کی دنیا میں قدر ہے، جن کا تعارف ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کی شہرت ہے بلکہ وہ غیر معمولی سطح پر علمی کام انجام دے رہے ہیں، حدیث شریف کی ایسی خدمت کررہے ہیں جس کی کم لوگوں کو توفیق ملی ہے اور علماء کی نظر میں ان کی قدروقیمت ہے، تو ظاہر ہے ان کی سربراہی کی وجہ سے اس مدرسہ میں ان کے اثرات ہیں اور اس مدرسہ کے نظام میں اور اس کے نصاب میں، ان کے ذہن سے جو چیزیں آئیں گی وہ مدرسہ کو تقویت پہنچائیں گی، اس کی افادیت کو بڑھائیں گی۔

**مدرسہ کے ذمہ دار سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے:**

آپ کا کام یہ بھی ہے کہ صرف مدرسہ سے ہی فائدہ نہیں اٹھانا ہے، صرف درس سے ہی فائدہ نہیں اٹھانا ہے، بلکہ جو فائدہ آپ ان سے اٹھا سکتے ہیں وہ اٹھایئے، ظاہر ہے یہ فائدہ تو آپ مہتمم صاحب سے نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ یہاں اور مدرسین کی طرح درس نہیں دے سکتے چونکہ وہ باہر رہتے ہیں؛ لیکن جب وہ آتے ہیں تو ان کی مجالس میں بیٹھنا چاہئے، ان کی باتیں سننی چاہئے، ان سے وہ چیزیں اخذ کرنی چاہئے جو علمی اعتبار سے آپ کے لیے مفید ہوں۔

**انسان کے اندر بہت سی خصوصیات ہیں:**

انسان کی زندگی اتنی متنوع پہلوؤں کی ہے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے، اللہ تعالی نے انسان کو عجیب چیز بنایا ہے اور اس کو زمین کا سردار بنایا ہے، کسی جماعت کا سردار ہوتا ہے، کسی ملک کا سردار اور سربراہ ہوتا ہے تو وہ بہت سی خصوصیات کا مالک ہوتا ہے، کوئی اپنے علاقہ یا اپنی جماعت میں بڑا ہے، تو اس میں خصوصیات ہوتی ہیں تو اللہ تعالی نے انسان کو اس زمین پر سردار بنایا ہے، اس کے اندر بہت سی خصوصیات اللہ نے رکھی ہیں، جو دوسری مخلوقات میں نہیں پائی جاتیں، ان سارے پہلوؤں سے تعلق رکھنے والی معلومات ہیں، خصوصیات ہیں اور صفات ہیں، تو جس پہلو کو بھی لے لیجئے اس کی معلومات بہت ہیں، اس کے اوصاف بہت ہیں، اور آدمی ان اوصاف کو، ان خصوصیات کو جانتا ہے تو یہ اس کا علم ہے، علم کہتے ہی ہیں معلوم ہونے کو، علم معلوم شدہ چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور معلوم کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، یہ مصدر بھی ہے اور اسم بھی، تو علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم معلومات حاصل کررہے ہیں، جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر ہر پہلو کی معلومات حاصل کی جائے تو اتنی زیادہ ہیں کہ آدمی حاصل ہی نہیں کرسکتا، اس لیے انسان انتخاب کرتا ہے، اللٹپ معلومات حاصل

کرلے تو اس سے کیا فائدہ، مثلاً کوئی انجینئر ہے انجینئرنگ کی معلومات حاصل کرے گا، ڈاکٹر ہے تو وہ ڈاکٹری کی معلومات حاصل کرے گا، کسان ہے تو کاشتکاری کی معلومات حاصل کرے گا، تاجر ہے تو تجارت کی معلومات حاصل کرے گا، تو جس کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اس کی معلومات حاصل کرتا ہے۔

**انسان کی بنیادی ضرورت:**

میرے پیارو! انسان کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچانے، اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارے، یہ بنیادی چیز ہے اور باقی چیزیں اس کے بعد ہیں اور اللہ تعالی نے وہ چیزیں ہمارے لیے فراہم کردی ہیں، جو اس دنیا میں موجود ہیں ہم جب چاہیں اس کو حاصل کرسکتے ہیں، لیکن بنیادی چیز کے بغیر ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی اور معلومات ہیں جو اللہ کو راضی کرنے والی ہیں، اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنے کی معلومات ہیں اور اسی کا نام دین ہے، تو دینی معلومات ہمارے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ مدارس اسی لیے قائم کئے جاتے ہیں کہ وہ سامان مہیا کیا جائے، جس سے ہم اپنے دین کی معلومات حاصل کرسکیں، اصلاً یہ مدارس اسی مقصد سے قائم کئے گئے ہیں لیکن چونکہ ہمیں دین کے ساتھ اپنی زندگی کو بھی چلانا ہے اور اپنی زندگی کو بھی استوار کرنا ہے، اسی لیے اس مدرسہ کی اور اس جیسے مدرسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دونوں چیزوں کو جمع کیا گیا ہے، آپ دینی معلومات بھی حاصل کریں جن سے آپ اپنی آخرت کو سنوار سکیں، اللہ کی رضا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی کو قائم کرسکیں، خود بھی اس پر عمل کرسکیں اور دوسروں کو بھی کراسکیں اور وہ معلومات اور علوم بھی آپ کو یہاں پڑھائے جاتے ہیں جن سے آپ اس دنیا میں کام چلاسکیں۔

**دنیا میں کام چلانے کی دو شکلیں:**

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک تو یہ کہ دوسروں کے ساتھ آپ کس طرح پیش آئیں، دوسروں سے آپ کس طرح فائدہ اٹھائیں، کس طرح آپ ان کے ساتھ زندگی گزارنے کی کیا شکل اختیار کریں، ایک تو یہ ہیں جو اجتماعی چیزیں جن کو اردو میں سماجیات اور عربی میں اجتماعیت کہتے ہیں، وہ معلومات یا علوم جو دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں، ان میں تاریخ ہے، جغرافیہ ہے اور اسی طرح زندگی کا کام چلانے کے لیے حساب ہے اور اسی طرح دوسری معلومات ہیں جن سے ہم کو سابقہ پڑتا ہے، جن کے ذریعہ ہم اپنی زندگی کو درست کرسکتے ہیں، یہ علوم بھی ضروری ہیں، تاکہ ایک صحت مند اور خوشحال انسان کی طرح آپ اپنی زندگی گزار سکیں، تو ہمارا جو نصاب و نظام تعلیم ہے، اس میں اس چیز کو بھی رکھا گیا ہے، اسی طرح دوسروں سے بات کرنے اور دوسروں کی بات سمجھنے کے لیے زبان کی اہمیت ہے جس زبان سے بھی واسطہ پڑتا ہے اس زبان سے ہمیں واقف ہونا چاہئے آپ دیکھیں گے کہ انصاف میں کئی زبانیں رکھی گئیں جن سے ہم ہندوستانیوں کو سابقہ پڑتا ہے، عربی سے تو اس لیے کہ وہ ہماری مذہبی زبان ہے، پھر عربوں کی زبان ہے، اور اردو ہے، ہندی ہے اور فارسی بھی کسی حد تک ہے، اس لیے کہ اب فارسی کا رواج نہیں رہا، لیکن پہلے رہ چکا ہے، کتابیں بہت سی فارسی میں ہیں، تو آپ دیکھیں گے ہمارے ان مدارس میں زندگی کی اہمیت وضرورت کو سامنے رکھ کر یہ نصاب بنایا گیا ہے کہ دین کے علوم بھی ہم کو حاصل ہوں اور دنیا کی ضروری معلومات اور علوم بھی ہم کو حاصل ہو، تو آپ نے جب اس مدرسہ کا انتخاب کیا تو آپ نے بہت صحیح انتخاب کیا، آپ نے اس کی پوری بات کو سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو اس سے پہلے؛ لیکن آپ کا انتخاب صحیح ہوا، اسی لیے کہ اس مدرسہ کی اور اس جیسے مدرسوں کی یہی خصوصیت ہے کہ کون سے مضامین پڑھائے جائیں اور کیا کیا پڑھایا جائے، جو بہتر سے بہتر شکل ہوسکتی تھی وہ اختیار کی گئی ہے، اب مسئلہ سارا اس کا ہوتا ہے کہ آپ اس کو صحیح طور پر حاصل کریں، مدرسہ کے ذمہ داروں نے جوان کا کام تھا وہ کردیا، کہ بہترین نصاب انتخاب کرکے مضامین کو رکھ دیا اور اس کے لیے وسائل مہیا کردیا، سکھانے والے، پڑھانے والے اور وہ سامان کہ جس سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ سب انہوں

نے مہیا کر دیا ہے، وہ یہی کر سکتے ہیں، لیکن علم کو آپ کے اندر اتار دیں، یہ ان کے بس میں نہیں ہے، نہ ان کے بس میں ہے نہ آپ کے اساتذہ کے بس میں ہے، یہ صرف آپ کے بس میں ہے، آپ چاہیں گے تو علم حاصل کریں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں حاصل کریں گے، آپ دس دس بیس بیس سال تک اگر مدرسہ میں رہے اور علم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کریں تو آپ کورے کے کورے یہاں سے جائیں گے، یہ وسائل یہ اسباب، یہ سامان، اسی وقت کارآمد ہوں گے جب آپ علم حاصل کرنا چاہیں اور علم حاصل کرنے کے لیے آپ فکر کریں ورنہ ''النادی العربی'' جیسی دس انجمنیں قائم کر دی جائیں اور بہتر سے بہتر استاذ لاکر کھڑا کر دیا جائے، ملک میں اس سے بہتر استاذ نہ ہو اور نہ معلوم کیا کیا انتظامات کر دیا جائے اور آپ کو فکر نہیں علم حاصل کرنے کی تو آپ علم حاصل نہیں کریں گے کورے کے کورے رہیں گے۔

**اصل چیز فکر اور محنت ہے:**

اس لیے بنیادی بات یہ ہے کہ آپ طے کریں کہ ہمیں علم حاصل کرنا ہے اور ہمیں اپنے اندر استعداد پیدا کرنا ہے، علمی صلاحیت پیدا کرنا ہے، جب آپ اس کا ارادہ کریں گے اور اس کے مطابق محنت کریں گے تو پھر علم آئے گا، آدمی یہاں سے ازہر (مصر) چلا جائے، دنیا کی بہتر سے بہتر یونیورسٹی میں چلا جائے اور وہاں اگر اسے علم حاصل کرنے میں دلچسپی نہیں ہے تو وہاں سے اسی طرح لوٹے گا جس طرح یہاں سے گیا تھا، ایسی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ بیس بیس سال بلاد عربیہ میں رہا ہے آدمی اور کوئی استعداد نہیں پیدا ہوئی اور اسی نے فکر کی تو سال بھر کے اندر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جب استاذ ہو گئے تھے اس کے بعد باہر گئے لیکن باہر جانے سے پہلے اسی ملک میں یہیں کے اساتذہ سے اور یہیں کی کتابوں سے انہوں نے اتنی عربی حاصل کر لی تھی کہ عرب ان کی قدر کرنے لگے، خود ہمارے مولانا تقی الدین صاحب باہر کب گئے جب استاذ ہو چکے اور برسوں پڑھا چکے تھے تو استاذ کی حیثیت سے گئے، سبھوں نے قدر کی، آؤ بھگت کی، تو آدمی اپنی محنت سے اپنے گاؤں کے اندر بھی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور فکر نہ کرے تو بڑے سے بڑے مدرسہ میں انتظامات کے باوجود بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے، تو یاد رکھئے کہ اصل چیز ہے آپ کی فکر۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے وسائل عطا فرمائے کہ جس پر لوگ رشک کریں، آج سے پہلے یہ وسائل حاصل نہیں تھے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کے بڑوں نے کس طرح علم حاصل کیا کچھ تو ایسے ہوں گے کہ چھپروں کے نیچے بیٹھ کر علم حاصل کیا ہوگا اور ایسے بھی ہیں جنھوں نے غربت کی وجہ سے جاڑوں میں مسجد کی چٹائی میں لپٹ جاتے تھے کہ سردی سے کچھ بچ سکیں اور سردی سر کی طرف سے لگ رہی ہے، پیر کی طرف سے لگ رہی ہے، چٹائی کہاں تک کام دے گی اور فاقہ کر رہے ہیں اور اسی حالت میں علم حاصل کیا۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں اور اس سے پہلے بھی دیکھا تھا یہاں ایک لائبریری ہے، ہندوستان کی مایہ ناز لائبریریوں میں اس کا شمار ہوگا، کس طرح منتخب کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اتنی تعداد میں اور کیسے کیسے ایڈیشن اس کے اکٹھا کئے گئے ہیں کہ دور دور سے لوگ آ کر فائدہ اٹھائیں گے اور تحقیقی کام کریں گے، یہ سب آپ کے لیے مہیا کر دیا گیا ہے اور جو استاذ بہتر سے بہتر علم رکھے وہ لاکر اکٹھا کئے گئے ہیں، عمارت دیکھئے، رہائش دیکھئے، سارا سامان کر دیا گیا ہے، اس کے بعد اگر آپ میں صلاحیت نہ پیدا ہو تو کس کا قصور ہے، ساری ذمہ داری آپ پر آئے گی، اس لیے اس بنیادی بات کو آپ سمجھ لیجئے کہ سارا انحصار آپ کی محنت پر ہے، آپ محنت کریں گے تو بڑے سے بڑا درجہ حاصل کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایسی صلاحیت رکھی ہے جس کو ایک طریقہ سے سطح مثال کے طور پر کہئے، ربڑ کی صلاحیت ہر انسان کے اندر ہے، کھینچئے، کھینچتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ اس صلاحیت کو بڑھائیے اور اس سے فائدہ اٹھائیے، آدمی نبی تو نہیں بن سکتا اور انسان کے دائرہ سے بھی باہر

نہیں نکل سکتا، باقی جتنی ترقی کرسکتا ہے اس دائرہ کے اندر رہ کر وہ کرسکتا ہے، بڑے سے بڑا ولی بن سکتا ہے، بڑے سے بڑا عالم بن سکتا ہے، بڑے سے بڑا خطیب بن سکتا ہے، بڑے سے بڑا مصنف بن سکتا ہے، بڑے سے بڑا محقق بن سکتا ہےاور بڑے سے بڑا الیڈر بن سکتا ہے، قائد بن سکتا ہے، آپ دیکھئے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے کتنا کمزور اور کتنا معذور ہوتا ہے کہ وہ بتانہیں سکتا ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے یا تکلیف ہے، ماں اس کو کس طریقہ سے سمجھتی ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے یا تکلیف ہے لیکن وہ بڑھ کر کیا ہوتا ہے، بعض وقت اتنا بڑا قائد ہوتا ہے کہ دنیا کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، بعض وقت اتنا بڑا مفکر ہوتا ہے کہ اس کی رائے سے اور اس کے علم سے دنیا مستفید ہوتی ہے اور صدیوں اس کا نام چلتا ہے۔

اللہ نے ہر انسان کے اندر بڑی صلاحیت رکھی ہے، ایسی صلاحیت جو بڑھے، لیکن کیسے بڑھے گی، خود بخود نہیں بڑھے گی بلکہ بڑھانے سے بڑھے گی، جتنا آپ بڑھائیں گے بڑھتی چلی جائے گی، اور ایسے درجہ تک پہنچ جائے گی کہ لوگ حیران ہوں گے کہ ارے یہ کیا ہے کیسی شخصیت ہے، کیسا بڑا عالم ہے، کتنا بڑا خطیب ہے، لیکن کیسے ہوتا ہے خود بخود نہیں، محنت کرنے سے ہوتا ہے، اپنے کو کھپانے سے ہوتا ہے اور ان وسائل، ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے سے ہوتا ہے، یہ سہولتیں، یہ کتب خانہ اور ایسے سرپرست اور ایسے سربراہ یہ ہمارے اسلاف میں کہاں حاصل تھے لیکن انہوں نے معمولی وسائل میں اپنے کو بنایا اور ترقی دی، آپ کے لیے تو بہت وسیع میدان ہے، ان سہولتوں کے ساتھ، ان انتظامات کے ساتھ، آپ معلوم نہیں کیا کیا کرسکتے ہیں، تصور کرنا مشکل ہے لیکن اس کا انحصار آپ کی محنت پر ہے، تو اس مدرسہ کی، اس جامعہ کی، آپ قدر کیجئے اور یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھائیے، اپنے سربراہ سے جو استفادہ آپ کرسکتے ہیں وہ استفادہ کیجئے، ان سے رہنمائی حاصل کیجئے تو آپ بہت آگے جاسکتے ہیں، بہت ترقی کرسکتے ہیں اور پھر آپ کی دنیا قدر کرے گی۔

یاد رکھئے! صاحب صلاحیت کی دنیا قدر کرتی ہے وہ شخص ضائع نہیں ہوتا، جس میں صلاحیت پیدا ہوجائے، جس میں کمال پیدا ہو جائے دنیا مجبور ہے ماننے پر، اور اس کی قدر کرنے پر اور اگر آدمی اپنے اندر امتیاز نہ پیدا کرے، صلاحیت نہ پیدا کرے تو ایک ایسا عام انسان ہوتا ہے کہ سڑک پر چلا جارہا ہے کوئی دیکھتا بھی نہیں اور کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کون جارہا ہے۔

**آپ کی حیثیت میزبان کی ھے:**

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مولانا (مہتمم صاحب) یہاں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کرنے جارہے ہیں اور یہ جو مرکز امام ابی الحسن قائم ہے، اس میں باہر سے بھی بہت سے علماء جمع ہوں گے، ان کو دعوت دی جارہی ہے، وہ آکر مقالے پڑھیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے، نئی تحقیقات پیش کریں گے، اس سے آپ جو فائدہ اٹھا سکتے ہوں، فائدہ اٹھائیں، لیکن آپ لوگوں کی حیثیت میزبان کی ہے، اس لیے کہ آپ اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اس مجلس مذاکرہ کو منعقد کررہا ہے، انگریزی میں مجلس مذاکرہ کو ''سمینار'' کہتے ہیں اور عربی میں اس کو ''ندوہ'' کہتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جن کے ہم سب شاگرد ہیں اور ان کے مسترشدین میں ہیں، انہوں نے کس طرح دنیا میں کام کیا اور کس طرح فیض پہنچایا اور انہوں نے لاکھوں شاگرد چھوڑے ملک میں اور ملک سے باہر، ان کے لاکھوں مستفیدین اور مسترشدین اور تلامذہ ہیں، ایک شخص نے کتنا بڑا فائدہ پہنچایا، ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا جائے گا، بتایا جائے گا کہ کس طرح ان کی شخصیت بنی اور کیا انہوں نے امتیاز پیدا کیا، یہ ہمارے لیے سبق کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہم اپنے کسی بھی بزرگ کو کسی سلف اور کسی شخصیت کو سامنے رکھیں، اس کے آئینے میں ہم اپنی شخصیت کو بنانے کی کوشش کریں، تو اللہ تعالی کی مدد ہوتی ہے، ہم اس کے بالکل قریب تک پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح بن سکتے ہیں، تو جو بڑی شخصیت اسلام کی دوسری ہیں ان میں کسی شخصیت کو لے لیجئے، آپ اپنے کو ان کے مطابق بنانے

کی کوشش کیجئے تو بڑی حد تک کامیابی ملے گی، یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو دنیا کہیں سے کہیں چلی جاتی، بہک جاتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں صحابہ کرام رہے، تو ایک سے ایک آفتاب و ماہتاب بن گئے، پھر ان کی صحبت میں جو رہے آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے اور وہ سلسلہ برابر چلا آ رہا ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے، آدمی سے آدمی بنتا ہے، آدمی کسی شخصیت کو اپنے سامنے لے آئے اور اس کے آئینے میں اپنے کو بنانے کی کوشش کرے تو اللہ کی بڑی مدد ہوتی ہے۔

تو اس طرح سیمینار یا مجلس مذاکرہ کی کسی عظیم شخصیت کو سامنے رکھ کر اور اس کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دلوائی جائے وہ بہت سبق آموز بات ہے، اس میں بعض وقت وہ فائدہ ہوتا ہے جو درجے کے سبق میں فائدہ نہیں ہوتا اور سال بھر کی کوششوں سے وہ فائدہ نہیں پہنچتا ہے جو بعض وقت دو تین روز کے سیمینار سے ہوتا ہے۔

**طالب علم کو اخلاق اور شائستگی کا نمونہ ہونا چاھئیے :**

حضرت نے ارشاد فرمایا میرے پیارے عزیز طلبہ جیسا کہ میں نے کہا کہ آپ کی حیثیت میزبان کی ہے، مدرسہ کے طلبہ اس سیمینار میں حصہ لیں گے تو طلبہ کو آنے والے دیکھیں گے کہ کس طرح ان کے ساتھ برتاؤ کیا گیا، کس طرح ان کے ساتھ تعاون کیا گیا، کس نے تعاون کیا، جو تعاون کرے گا اس کی شہرت ہوگی اور دنیا میں چرچا ہوگا، میزبان اگر مہمان کی خاطر تواضع کرتا ہے تو مہمان مشکور ہوتا ہے، ذکر کرتا ہے، تو آپ کی حیثیت میزبان کی ہے، ابھی سے آپ کو لگنا ہوگا کہ ایسی مجلس مذاکرہ منعقد ہو کہ یادرکھا جائے اور دنیا میں شہرت ہو اور کہا جائے کہ وہ مجلس مذاکرہ تو معیاری ہوئی، اس سے بڑا فائدہ ہوا اور آپ اپنے اساتذہ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے جو بھی اس میں کرسکیں آپ کو کرنا چاہئے اور یہ سمجھئے کہ یہ آپ کی شہرت اور آپ کی عزت کی بات ہے، اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کی رہائش آپ کا طرز عمل ایسا ہونا چاہئے کہ جس کے متعلق کوئی اعتراض کی بات نہ ہو صفائی وستھرائی ہے، آپ میں تعاون ہے اور علم سے مشغولیت ہے اور تہذیب ہے یہ چیزیں بھی لوگ دیکھتے ہیں، یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے اخلاق کیا ہیں، کیا شائستگی ہے، اپنے بڑوں کی آپ کس طرح اطاعت کرتے ہیں، اپنے اساتذہ کی کس طرح عزت کرتے ہیں اور اپنے ادارے کی ترقی اور ادارے کی خوبی میں آپ کیا تعاون کرتے ہیں، ان سب چیزوں کی ذمہ داری بھی آپ پر آتی ہے اور یہ ذمہ داری آپ کو نبھانی ہے، تو ان شاء اللہ یہ مجلس مذاکرہ شہرت کا باعث ہوگی اور اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے مدرسہ کی شہرت ہوگی، لوگوں کی توجہ ہوگی، لوگ دیکھنے آئیں گے، اس کی تعریف کریں گے، اس کا تذکرہ کریں گے، اور اس کی تعریف کریں گے، اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے، اگر لوگ مدرسہ کی تعریف کریں گے تو آپ کی بھی تعریف ہوگی، اگر آپ کی تعریف ہوگی یعنی اگر آپ اچھے ہیں تو مدرسہ اچھا سمجھا جائے گا، آپ اگر اچھے نہیں ہیں تو مدرسہ بھی اچھا نہیں سمجھا جائے گا، آپ اس ادارہ سے جڑے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کوشش کریں اور جو بات میں نے شروع میں کہی ہے اس کو دل میں بٹھا لیجئے، آپ جتنی کوشش کریں گے، جتنی محنت کریں گے، اسی حساب سے آپ کامیاب ہوں گے اور ترقی کریں گے، اور اگر خود آپ کوتاہی کریں گے تو نہ مدرسہ کچھ کرسکتا ہے، نہ دارالعلوم کچھ کرسکتا ہے، اور نہ سارے وسائل کچھ کر سکتے ہیں، اس لیے اگر آپ لوگ لگ جائیں علم کو بڑھانے میں، اپنے کو صاف ستھرا اور مہذب بنانے میں، تا کہ آپ کو دیکھنے والے مطمئن ہوں اور خوش ہوں، آپ کی اور آپ کے مدرسہ کی تعریف کریں تو انشاء اللہ ضرور ویسا ہو کر رہے گا، میں انہیں باتوں پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ تعالی ہم سب کو کہنے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

❁❁❁❁❁

جائزہ

پہلی قسط

# عالم اسلام دشمنوں کے قبضے میں

مصطفیٰ محمد طحان..........ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی

پورا کا پورا عالم اسلام غیر ملکی قبضہ میں چلا گیا، استعمار مسلمانوں کے ملکوں میں ایسے کام انجام دینا چاہتا ہے جو کبھی نہ کبھی ختم ہونے والے عسکری اور فوجی قبضہ تک ہی محدود نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت ہی تبدیل کردی جائے، اس کے لیے سیمینار منعقد کئے جاتے ہیں اور فوجی ماہرین کے ساتھ ان سیمیناروں میں منصوبہ بندی، تعلیم، قانون اور مشنری کے ماہرین کو بھی شریک کیا جاتا ہے، مشنری کا لشکر نئی تہذیب کو اپنے ساتھ لے کر فوجی لشکر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، جب وہ عالم اسلام کو نصف صدی یا اس سے زائد مدت کے بعد چھوڑ دیں گے تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جائے گا کہ ان علاقوں کا اسلام کے ساتھ صرف تاریخی ناموں کی حد تک تعلق باقی رہے گا۔

وہ اسلام کے ہر شعبہ میں تبدیلی کر ڈالیں گے، اس کی صورت مسخ کردیں گے اور اس کا بدل بھی پیش کریں گے، وہ دعوی کریں گے کہ وہ تو ہمارے ملکوں کی ترقی کے لیے ہی استعماری نظام نافذ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے دوست ہیں، لیکن ان دوستوں نے کیا کیا، اور انہوں نے کیا کیا منصوبے بنائے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سیاسی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں (۲) دستوری میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں (۳) تہذیبی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں (۴) اقتصادی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں (۵) معاشرتی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں (۶) اسلامی شخصیت وغیرہ

**(۱) سیاسی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں:**

سیاسی میدان کے متعلق انہوں نے کیا گل کھلائے، سامراجی سیاست نے کیا رنگ چڑھایا، اس کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر ہے:

**۱- تقسیم وفرقہ بندی:**

استعمار نے عالم اسلام میں سب سے پہلے یہ کام کیا کہ عالم اسلام کو چھوٹے چھوٹے حصوں اور ملکوں میں تقسیم کردیا، پہلے مرحلے میں عربوں کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ ترکوں کے خلاف اس دعوی کے ساتھ انقلاب برپا کردیں کہ عرب ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ اسی صورت میں تمام عرب ملکوں پر مشتمل ایک عظیم شہنشاہیت قائم ہوسکتی ہے، پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں ترکی ایک محدود اور چھوٹی سی مملکت بن کر رہ گیا اور عرب علاقہ بیس سے زائد چھوٹے اور بڑے ملکوں میں تقسیم ہوگیا، یہ ممالک مسلسل سرحدی مسائل سے دوچار ہیں، استعمار نے ان میں ایسی چیز چھوڑی ہے جو مستقل کشمکش کے لیے ایندھن کا رول ادا کررہی ہے، جب بھی سکون اور امن ہوتا ہے تو ایندھن میں آگ لگ جاتی ہے، عجیب وغریب بات یہ ہے کہ برطانیہ نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد منتشر رہنے کے باوجود اس کو متحد کیا، لیکن مسلمانوں کے ملکوں کو متحد رہنے کے باوجود منتشر کیا اور اس کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا، اس تقسیم نے چند قومی ڈھانچوں کو جنم دیا، جو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ایک ہدف اور مقصد بن گئے جن کی طرف سے وہاں کے حکام، سیاسی پارٹیاں اور لوگوں نے دفاع کرنا شروع کیا، بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے ملک قومی نظریے میں تبدیل ہوگئے جن کے گن چھوٹے اور بڑے سب گانے لگے، زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہ ڈھانچے صرف سامراجیوں کی

چال اور سازش کی وجہ سے ہی قائم نہیں رہے، بلکہ یہاں کے باشندے بھی اپنے اپنے حصے کی دوسرے حصوں سے حفاظت کرنے لگے، جو قومیت پہلے اسلامی پھر عربی تھی، وہ شامی، اردنی، لبنانی اور علاقائی قومیت میں تبدیل ہوگئی اور ہر دن چھوٹی پڑنے لگی۔

**۲-لادینیت:**

ملکی اور غیر ملکی ادباء نے نئی تہذیب کی ترویج واشاعت شروع کی، ترکی میں کوکالپ، مصر میں طہ حسین، قاسم امین اور علی عبدالرزاق اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے دنیا کے دوسرے حصوں میں شروع میں غیر واضح انداز میں اور بعد میں پوری وضاحت کے ساتھ کھلم کھلا لکھنا شروع کیا کہ دین کا مطلب صرف فرد اور اس کے خالق کے درمیان کا تعلق ہے، اس کے علاوہ فرد کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، اگر قوم جہالت اور پسماندگی کو ختم کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دینی مرحلہ یعنی خرافات کے مرحلے سے نکل کر مادی علمی یعنی تحقیق کے مرحلے میں منتقل ہو جائے، کوئی شخص نماز پڑھنا، دعا کرنا اور اللہ سے مدد طلب کرنا چاہے تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، اس کے علاوہ سیاست، معاشیات، معاشرت، علوم وفنون اور آداب واخلاق میں دین کا کوئی رول نہیں ہے، اسلام کی بنیاد پر سیاسی پارٹیاں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے اور سیاست داں وہ اصولی شخص ہے جو اپنے مقصد تک کس طرح پہنچا جائے جانتا ہے، اس سے قطع نظر کہ اس کے لیے کیا وسائل اور اخلاق بروئے کار لائے جائیں۔

**۳-نسل پرستی:**

جس قومیت کو انہوں نے ہمارے ملکوں میں رواج دیا ہے وہ نسل پرست اور لادینی قومیت ہے، شریف حسین اور انگریزوں کے درمیان مراسلت کے ذریعہ طے شدہ معاہدوں سے پتہ چلتا ہے کہ متوقع عربی حکومت قوم پرست اور لادین ہوگی، جب قوم دین سے عاری ہو جائے گی تو وہ اپنے افراد کو مربوط ومنسلک رکھنے کے لیے یقینی طور پر دوسرے شعار اور رموز تلاش کرے گی، اسی کے نتیجہ میں مصر میں فرعونیت، شام میں آشوریت کا وجود ہوا، پھر علاقے ہی ایک مخصوص وجود پر مشتمل نشانات بن گئے، لبنانیت ایک تہذیب بن گئی، اردنیت اور شامیت الگ الگ تہذیبیں ہوگئیں۔

اسلامی ماحول میں پہلی مرتبہ ہم یورپ میں موجود نئی قوم پرستی کے معنی میں وطن اور وطنیت کے سلسلے میں باتیں سنتے ہیں، جس یورپ کی قدیم تاریخ نئی تاریخ سے مربوط ہے، تاکہ وہ دونوں مل کر ایک مکمل یونٹ بن جائیں، ہر ایک اپنی ایک مستقل شخصیت چاہتا ہے جو دوسرے مسلم ملکوں سے ممتاز ہو۔

وہ عربی زبان جس نے امت مسلمہ کے اتحاد واتفاق کی حفاظت کی ہے اور اس نے اپنے جھنڈے تلے سبھی اسلامی قوموں کو جمع کیا ہے اور وہ زندگی کے تمام میدانوں میں ایک دوسرے سے مخاطب ہونے اور رابطے کی زبان بن گئی ہے، مغربی قوموں نے اندلس کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان سیکھ کر اپنی ترقی کے اسباب ووسائل کو حاصل کیا تھا، یہاں تک کہ وہ اسی عربی زبان کی وجہ سے مسلم علماء اور سائنس دانوں کی لکھی ہوئی علمی اور سائنسی کتابوں کو پڑھ سکے، یہی عظیم زبان مشنری اور سامراج کے افکار ونظریات کے تابع افراد اور دم چھلوں کی نگاہ میں غیر نافع زبان بن گئی ہے، جو علمی ترقی کے ساتھ نہیں دے سکتی اور واقعات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ نہیں چل سکتی، اگر اس زبان کا استعمال اتنا ہی ناگزیر ہے تو عوامی زبان پر اکتفا کیا جائے۔

**٤-ظالمانہ جمہوریت:**

اس سے مراد ''قوم کی حکومت قوم پر'' ہے، دشمنوں کے نظریہ کے مطابق یہ ایک طرز حکومت ہے، دراصل مغربی جمہوریت، طبقاتی نظام اور قومی تعصب پر قائم ہے، حقیقی رومی وہ ہے جس کے پاس کم از کم ایک ہزار غلام ہوں، جس عظیم مملکت کے بارے میں افلاطون نے لکھا ہے اور یونان نے اس کو جمہوریت کی چوٹی قرار دیا ہے، وہ طبقاتی نظام کو نافذ کرتی ہے اور اس میں سب سے بڑا طبقہ غلاموں کا ہے۔

ان کشمکشوں اور قرآن کریم کی ڈھالی ہوئی اور اسلام کی طرف

سے تعمیر کردہ اخوت و بھائی چارگی اور آزادی کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے، اگر چہ مغرب نے اس نظام کو نافذ کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور لوگوں نے اس نظام حکومت سے بہت سی آزادیاں بھی حاصل کرلی ہے، لیکن تیسری دنیا میں جمہوریت کے نام پر ہر طرح کا ظلم روا رکھا جاتا ہے اور جمہوریت کے نام پر ہر طرح کے نظام قائم ہیں، یہ سب نظام ڈیکٹیٹر شپ ہیں جس میں انسان کی آزادی مسلوب کی جاتی ہے، اگر چہ دعویٰ اس کے برخلاف آزادی کا کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ مغرب بھی جو اپنے یونانی آباءواجداد اور آقاؤں سے جمہوریت کا وارث ہوا ہے، جب اس کو مسلمانوں پر منطبق کرتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ تسلط، ذلت ورسوائی، دولت کی لوٹ کھسوٹ، زمین پر قبضہ اور لوگوں کو غلام بنانے میں سخت ترین موقف اختیار کرتا ہے اور ہر طرح کا ظلم روا رکھتا ہے، آزادی اور جمہوریت کے نام پر ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے مسلم مسلکوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو بدترین سلوک کیا گیا اس پر ان کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔

**(۲) دستوری میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں:**

سامراج نے دستوری پہلو پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے، وہ کسی بھی ملک سے یہ اطمینان کئے بغیر نہیں نکلتے کہ اس ملک کی حکومت نے شریعت اسلامی کی جگہ مغربی قوانین کو نافذ کیا ہے یا نہیں۔

''لوزان معاہدہ'' کے پچاس سال بعد ترکی ٹیلی ویژن نے مذکورہ معاہدے پر دستخط کرنے والے ترکی رہنما عصمت انینو کا ایک انٹرویو نشر کیا تھا، اس میں ٹیلی ویژن نے معاہدہ پر پچاس سال گزرنے کے بارے میں پوچھا تو انینو نے جواب میں کہا: ''مغرب نے ہماری آزادی اور اپنی فوجوں کے انخلا کے مطالبوں کو چند شرائط کے ساتھ قبول کیا تھا، ان میں سے اہم شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) خلافت کا الغا۔

(۲) ملک سے آل عثمان کے تمام افراد کی جلاوطنی۔

(۳) اسلامی قوانین کے بدلے مغربی قوانین کا نفاذ۔

(۴) آخری شرط یہ بھی رکھی گئی کہ ان شرائط کے آخری بند کے نفاذ کی نگرانی کے لیے ایک وفد بھیجا جائے گا، جن ملکوں نے سیاسی آزادی حاصل کی ہے، ان سبھوں نے شریعت اسلامی کو ختم کیا ہے اور اس کے بدلے مغربی قوانین کو نافذ کیا ہے اور امور شرعیہ کو صرف پرسنل لاء کے قوانین تک محدود کیا ہے، یہ پہلا مرحلہ تھا، پھر اس کے بعد والی نسل نے اور زیادہ جرأت سے کام لیا تو انہوں نے پرسنل لاء کو بھی ختم کردیا۔

''قانون کا لوگوں اور معاشرے کے ساتھ مضبوط اور گہرا تعلق ہے، جب کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس کے پیچھے اخلاق اور معاشرے کا کوئی نہ کوئی فلسفہ کارفرما رہنا ضروری ہے، اسی طرح قانون بنانے والے کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد اور شکل ہوتی ہے، جس کے قالب میں وہ پوری انسانیت کو ڈھالنا چاہتا ہے، اسی طرح جب کوئی قانون منسوخ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے منظور شدہ اور معتمد علیہ اخلاقی نظریے اور تہذیبی فلسفے کو منسوخ اور اس قانون پر منطبق زندگی کی شکل کو تبدیل کردیا گیا ہے، جب استعمار نے ہمارے پاس موجود شرعی قوانین کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور اس کی جگہ اپنے تہذیبی قوانین کو نافذ کیا تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک قانون چلا گیا اور اس کی جگہ دوسرے قانون نے لے لی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کی سرزمین سے اخلاق وتہذیب کا ایک نظام جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا گیا اور اخلاق وتہذیب کے دوسرے نظام کی اس کی جگہ بنیاد ڈالی گئی''۔

**(۳) تہذیبی میدان میں دشمنوں کی کارستانیاں:**

ترکی میں خلافت راشدہ کے خاتمے اور کمال حکومت کے قیام کے بعد مصطفیٰ کمال اتاترک نے اپنی حکومت کے ممبران، صحافیوں اور ادباء کو جمع کیا اور جس معرکے میں وہ لوگ داخل ہو رہے ہیں اس کی خطرناکی کے بارے میں بتایا اور ان سے کہا کہ اس ملک میں اس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں، اس کے جواب میں ان اراکین حکومت نے کہا کہ وہ لوگوں کو دوسرے معبود کی پرستش پر لگائیں گے، عملی طور پر بھی

انھوں نے قوم کو اس حدتک اسلام سے ناواقف کرایا کہ آج ترکی قوم کی اکثریت سوال کرتی ہے کہ کیا شریعت کا تعلق اسلام سے ہے؟!!

جب سے استعمار نے مسلمانوں کے ملکوں میں اپنا قدم رکھا ہے، اس وقت سے انھوں نے مسلمانوں کی تہذیبی بنیاد کو بدلنے کی کوشش کی ہے، اکثر موروثی مدارس کو مقفل کیا گیا، اسلامی یونیورسٹیوں کی قیمت وحیثیت گھٹا دی گئی، اس کے فارغین سے بےتوجہی برتی گئی اور ممتاز طلبہ کو اپنی یونیورسٹیوں میں بھیجا گیا، تاکہ وہ پڑھ کر مغربی تہذیب وافکار کو اپنے معاشرے میں عام کریں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک صدی گزرنے کے باوجود آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں قائم ادارے اور ہمارے طلبہ (جو ہمارے مستقبل ہیں) مغربی تہذیب کا درس لیتے ہیں اور حکومت، معاشیات، معاشرت، تاریخ اور کائنات وحیات میں انسان وجود کی تشریح میں ان کے نظریات پڑھتے ہیں، جب کہ مغربی قائدین نے کئی مرتبہ صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ ہمارا اعتماد فوجوں سے زیادہ تعلیمی اداروں پر ہے۔

اسلامی فکر کی ترقی اور اسلامی تحقیقات کی ترقی پر مغرب کی توجہ کا مرجع لورڈ کرومر اور اس کے بعد لورڈ لویڈ کی طرف سے جامعہ ازہر کی اس حیثیت کو جاننا ہے کہ وہ برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا مرکز ہے اور یہ حال اس وقت تک قائم رہے گا جب تک جامعہ ازہر اپنے قدیم اسالیب کو تھامے رہے گا۔

اسی وجہ سے کرومر نے ''دستوری لاء کالج'' قائم کرنے کی کوشش کی، جس کے بارے میں اس نے ۱۹۰۵ء کی اپنی سالانہ رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ اس نے بوسنیا کے حاکم بارون کالیہ سے اس کالج کا تدریسی مواد حاصل کیا ہے جس کو نمسا کی حکومت نے سرائیوں میں قائم کیا ہے، تاکہ یہاں مسلمانوں کے لیے قاضی اور جج تیار کئے جائیں، کرومر نے یہ مواد شیخ محمد عبدہ کی سربراہی میں قائم کردہ کمیٹی کے سامنے پیش کیا، تاکہ یہ کمیٹی مصری حالات کے مناسب اسی کے مطابق منصوبہ تیار کرے، اس کمیٹی کی قرارداد کاغذ کی حدتک ہی رہی، یہاں تک کہ شیخ محمد عبدہ کے ایک شاگرد سعد زغلول جب ۱۹۰۶ء کو وزیر تعلیم بنے تو انھوں نے اس کو نافذ کیا اور دستوری لاء کالج قائم کیا۔

اس دین کی عظمت کے مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو مراکز ہماری نسل کو مغرب زدہ بنانے کے لیے اصلاً قائم کئے گئے تھے، وہاں سے ایسے طلبہ فارغ ہوئے جو اپنے دین کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اس کے اقدار کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم یہ بات تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر ان مراکز کی بنیاد صحیح اور مستحکم رہتی تو وہاں پڑھنے والے طلبہ کی بنیاد بھی مستحکم رہتی اور اس کے بڑے مفید، عمیق اور بہترین نتائج نکلتے۔

❁❁❁❁❁

# قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

❁ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

❁ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

❁ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

❁ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

❁ مضامین بغیر حوالہ کے معتبر نہیں ہوں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

تجزیہ

پہلی قسط

## علم کی حقیقی طلب کے چار بنیادی امور

# اخلاص وللّٰہیت، مسلسل محنت، بلند ہمتی، ادب واحترام

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

اللہ کی صفات میں سے ایک صفت علم ہے، اللہ کی ذات ازلی تو اس کی صفت بھی ازلی، اس کا کچھ حصہ اللہ نے مخلوق کو عطا کیا اور اس میں انسان کو برتر رکھا؛ بلکہ بعض حضرات کی تحقیق کے بموجب صفت علم انسان کا خاصہ اور امتیاز ہے، لہٰذا علم کو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور علم سے انسان کو متصف کرنے کی غرض عمدہ صفات، حسن اخلاق، سیرت وکردار میں خوبی اور بہتری پیدا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات تمام صفات حمیدہ کو جامع ہے، اس لیے کہ اس کا علم ''علم محیط'' ہے، اللہ نے اپنی اس صفت کا پرتو انسان میں اسی لیے رکھا تاکہ ''تخلقوا بأخلاق اللّٰہ'' والی حدیث پر عمل درآمد ہوسکے اور بندہ اپنے اندر بھی کمال پیدا کرے، حضرت آدم علیہ السلام کو جو برتری اور خصوصیت دی گئی اس کی وجہ بھی تو علم ہے، لہٰذا علم کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا علم ہو انسان اتنا ہی بااخلاق ہو، حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ نے ''علم وحی'' سے نوازا تو ساری انسانیت کے لئے نمونہ ثابت ہوئے۔

حضرات صحابہ بھی جب علم الٰہی اور علم نبوی سے سرشار ہوئے تو انکی زندگیوں میں عجیب انقلاب برپا ہوگیا اور وہ بھی رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے اسوہ بن گئے، معلوم ہوا علم دین اپنے اندر انقلابی تأثیر رکھتا ہے، مگر آج کل ہم دیکھ رہے ہیں، ہمارے اہل علم حضرات بھی انتہائی نازک حالات کے شکار ہیں، تو آئیے ہم کوشش کریں کہ اس بدترین صورت حال کے اسباب وعلل کیا ہیں، اس کو تلاش کریں۔

تعلیم کی موجودہ ابتر حالات کے ذمہ دار صرف کسی ایک طبقہ کو نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ امت کا اجتماعی وانفرادی طور پر ہر طبقہ اس کا ذمہ دار ہے، مگر زیادہ ذمہ دار طلبہ ہیں، لہٰذا ہم چونکہ انہی سے مخاطب ہے اس لیے انہی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

**(۱) اخلاص وللّٰہیت**

آگے بڑھنے سے پہلے ہم چند سوالات جو ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں اس کی نشاندہی کرتے ہیں، سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انحطاط علمی کا سبب کیا ہے؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ کیوں محنت نہیں کرتے؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ زندگی میں علم پر عمل نہیں؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلبہ وعلماء کو کیوں آخرت کی فکر اور امت کا درد نہیں، کیا ان سوالات کے جوابات ممکن ہیں، تو آئیے ہم اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ہمیں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اور اللہ کی ذات مسبب الاسباب ہے، لہٰذا ہمارا یہ کہنا کہ اب قیامت قریب آگئی، حالات ایسے بدل گئے ہے، اب محنت کرکے کوئی فائدہ نہیں، اس بات کو ذہن سے نکال دینا چاہئے اور اسباب کی طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''إن اللّٰہ لا یضیع أجر المحسنین'' اللہ اخلاص کے ساتھ محنت کرنے والوں کی محنت ضائع نہیں کرتے، اب آپ ذرا غور کیجئے ''محسنین'' کا لفظ استعمال کیا، ''مجتہدین'' یا ''عاملین'' نہیں کہا، یا ''مخیّرین'' یا ''ساعین'' یا ''شاغلین'' کا لفظ استعمال نہیں کیا، آخر ایسا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تمام الفاظ کسی ایک حقیقت اور معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جبکہ

''احسان'' کا لفظ انتہائی معنی خیز اور جامع ومانع ہے، کیونکہ احسان کے لغوی معنی تو خوب اچھا کرنا اور خوب اچھا کرنے کے لیے جد وجہد، سعی عمل، شغل سب ضروری ہے، اصطلاحِ شرع میں ''احسان'' کہتے ہے اخلاص اور للّٰہیت کو، اب محسنین کا معنی ہوا خوب جد وجہد اور سعی پیہم کے ساتھ محض اللہ کے لیے کرنے والے۔

اب آیئے ہم اپنے طالب علمانہ کردار پر ایک نظر ڈالیں اور فیصلہ کریں، کہ کیا واقعتاً ہم محسنین میں، کیا ہم محنت اور جد جہد اور سعی پیہم میں لگے ہوئے ہیں، کیا ہمارے اندر اخلاص وللّٰہیت ہے؟ تو جواب نفی میں ہوگا، اولاً تو اکثر وبیشتر طلبہ میں محنت اور لگن کا جذبہ نہیں اور کچھ میں ہے تو عام طور پر محنت کے ساتھ جو مطلوبہ صفات ہے وہ نہیں، یعنی اخلاص، تواضع، ادب، حسن اخلاق سے دوری وغیرہ۔

لہٰذا طلبہ عزیز سے لجاجت کے ساتھ گذارش ہے کہ اللہ کے واسطے سستی اور غفلت کو پس پشت ڈال کر خوب لگن اور محنت سے تحصیل علم میں لگ جائیں، تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکے، ساتھ ساتھ تکبر سے، حسد سے، کذب بیانی سے، سوء اخلاق سے، بے ادبی سے چاہے کتاب کی ہو، چاہے استاذ کی ہو، چاہے درس گاہ کی ہو، چاہے ادارہ کی اس سے مکمل اجتناب کریں۔

حاصل یہ کہ سب سے پہلے ضرورت ہے اخلاص اور للّٰہیت کو پیدا کرنے کی "إنما الأعمال بالنيات" جب ہم یہ نیت کریں گے کہ اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنا ہے، تو محنت کی توفیق کے راستے من جانب اللہ کھل جائیں گے، ہم شروع سال میں یہ نیت کرلیں کہ ''اللہ ہمارے یہاں آنے کا مقصد علم کو حاصل کر کے اس پر عمل کرنا اور تیری ذات اقدس کو راضی کرنا ہے''۔

**(۲) مسلسل محنت:**

عزیز طلبہ! کیا آپ نے صحابہ کے حالات پڑھے اور سنے نہیں، ان پر کوئی نگراں اور ذمہ دار نہیں مگر ان میں اخلاص تھا تو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر ہو کر علم حصول کی انہیں توفیق ہوتی تھی، کیا آپ نے اصحاب صفہ کے حالات نہیں پڑھے، بھوکے ہوتے، کپڑے نہیں ہوتے، مگر برابر محنت میں لگے رہتے، حضرت ابو ہریرہ بھی انہیں میں سے ایک تھے، اللہ نے انہیں کیسا چمکایا، حضرات تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ کیجئے، اس زمانہ میں نہ کوئی درس گاہ ہوتی تھی، نہ کوئی کمرہ، نہ کوئی ہاسٹل اور رہائش گاہ، نہ لائٹ، نہ کھانے پینے کا انتظام، نہ کوئی زور زبردستی، وہ تو اپنا سب کچھ لگا کر اخلاص کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے، انہیں کے مجاہدات کی برکت سے آج علوم اسلامیہ صفحات کتب کی صورت میں موجود ہے، اگر وہ ہم لوگوں کی طرح راحت پسند اور عیش پرست ہوتے، یقیناً آج ہمارے پاس علمی ذخائر نہ ہوتے، نہ کتابیں ہوتی اور نہ یہ مدارس ہوتے، دنیا کی تاریخ میں علماء اسلام نے جتنا لکھنے پڑھنے کا کام کیا، یقیناً کسی نے نہیں کیا، جیسا شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس پر مستقل ایک تحریر کی ہے "العلماء العذاب الذين آثروا العلم الزواج" یعنی وہ علماء جو علم کے خاطر شادی سے کنارہ کش رہے، جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) ہناد بن سری کوفی محدث تھے۔

(۲) ابوجعفر محمد ابن جریر طبری مفسر محدث اور مؤرخ تھے، بے شمار ذخیم کتابیں تصنیف فرمائی۔

(۳) ابوبکر ابن الانباری نحوی اور مفسر تھے۔

(۴) ابوعلی الفارسی جلیل القدر امام النحو تھے۔

(۵) ابوبکر الأندلسی محدث تھے۔

(۶) محمود ابن عمر زمخشری مفسر تھے۔

(۷) محی الدین زکریا النووی فقیہ محدث تھے مسلم شریف کے مشہور شارع اور بے شمار کتابوں کے مصنف تھے۔

(۸) ابوالحسن ابن النفس دمشقی۔

(۹) ابن تیمیہ حرانی محدث فقیہ مفسر اور بے شمار کتابوں کے مصنف تھے۔

(۱۰) عزالدین محمد ابن جماعۃ مصری فقیہ اور اصولی تھے۔

(۱۱) محمد ابن طولون مشہور مؤرخ گذرے ہیں۔

(۱۲) سلیمان ابن عمر الجمل جلالین کے مشہور شارح۔

(۱۳) ابوالمعالی محمود شکری الوسی بہت بڑے ادیب تھے۔

(۱۴) ابوالوفاء الافغانی ہندی فقیہ اور محدث تھے، وغیرہ بے شمار ایسے علماء گذرے ہیں، اللہ امت مسلمہ کی جانب سے انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

ان لوگوں نے اپنا مال، اپنا وقت، اپنی خواہشات سب کچھ علم دین کے لیے قربان کردیا، تو آج اللہ نے یہ مقام دنیا ہی میں عطا کیا، صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی جب ان کا تذکرہ ہوتا ہے تو مسلمان عقیدت سے رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے؟

ہمارے متقدمین ومتأخرین علماء نے اتنی جدوجہد اور محنت کی کہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کو اپنی بے مثال تالیف "صَفَحَاتٌ مِنْ صَبْرِ العُلَمَاءِ عَلى شَدَائِدِ العِلْمِ وَتَحْصِلِهِ" کے مقدمہ میں لکھنا پڑا۔

''اگر تم ہمارے علماء کے احوال کا تتبع اور مطالعہ کروگے تو اندازہ ہوگا وہ کیا تھے؟ اور انہوں نے کیا کیا؟ وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے محض علم کے خاطر لمبے لمبے اسفار کئے، بھوک اور پیاس پر صبر کیا، راتوں کو سونا چھوڑ دیا، اپنے آپ کو خوب مشقت میں ڈالا، یہاں تک کہ تاریخ ان کی قربانیوں کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، میں اپنی کتاب میں اس کا احاطہ اور استیعاب کرنا نہیں چاہتا ہوں، بلکہ نمونے کے طور پر مشت از خروارے کے ہر پہلو سے متعلق چند واقعات بیان کروں گا، کیوں کہ ان کی قربانیاں اتنی ہے کہ اس کو یکجا کرنا دشوار ہے، علم کے خاطر صبر آزمائی کے ایسے حیرت انگیز واقعات ہے کہ انسان کا ذہن اسے قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام واقعات سو فیصدی صحیح ہیں، کیونکہ سندوں کے ساتھ معتبر کتابوں میں منقول ہے، اگر آپ کو وہ سمجھ میں نہ آئے تو نہ آئے، بعض حیرت انگیز عجائبات میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں، آپ کی عقل اس کو تسلیم کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوگی، مگر اتنی مستند اور صحیح روایات اور معتبر لوگوں سے مروی ہے کہ آپ کو صحیح ماننا ہی پڑے گا، مثلاً محدث اعظم امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی اپنی کتاب ''سنن أبي داوٗد'' کے باب ''صدقۃ الزرع'' میں خود اپنا مشاہدہ نقل کرتے ہے کہ میں نے مصر کے سفر کے دوران ایک ککڑی دیکھی جس کی لمبائی تیرہ بالشت تھی اور ایک اتنا بڑا انارنگی دیکھا کہ اس کو کاٹ کر اونٹ پر اس طور لادا گیا تھا کہ ایک حصہ اونٹ کی کوہان کے داھنی جانب اور دوسرا بائیں جانب، کیا کوئی اس کی تصدیق کرسکتا ہے؟ مگر ایک ایسے محدث اس کو بیان فرمارہے ہیں جن کی صداقت پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا عجوبہ سمجھ کر ماننا پڑے گا۔

ایسا واقعہ محمد بن رافع نے ذکر کیا ہے جو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابوزرعہ، تمام کبار محدثین کے استاذ اور شیخ ہیں کہ میں نے انگور کا ایک گچھا دیکھا جو ایک خچر کے برابر تھا۔

اسی طرح کے دسیوں عجائبات کو شیخ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا اور پھر کہا کہ جس طرح ان واقعات کے حیرت انگیز ہونے کے باوجود آپ کو تسلیم کرنا پڑا کہ نہیں صحیح ہے، بس بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف علم کے خاطر صبر آزمائی کے حیرت انگیز واقعات کو بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔

**طلب علم کیے لیے اسلاف کی قربانیاں**:

اسلام نے انسان کو پہلا درس ہی علم کا دیا، اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم عطا کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پہلی وحی علم سے متعلق نازل کی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ اس امت کے افراد نے اپنے آپ کو علم کے لیے کھپادیا، شیخ عبد الفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں: ہمارے علماء اسلاف میں اکثر وبیشتر فقر وفاقہ کے شکار تھے، مگر ان کا فقر تحصیل علم کے لیے کبھی رکاوٹ نہ بنا اور انہوں نے کبھی کسی کے سامنے اپنی محتاجی کو ظاہر بھی نہیں کیا۔

انہوں نے علم کی خاطر نہایت جاں گسل اور ہولناک مصائب وآلام جھیلے اور ایسے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا ہے کہ ان کی طاقت اور

برداشت کے سامنے خود ''صبر'' بےچین اور بےقرار ہو گیا۔

اسی کے ساتھ وہ اپنی دل کی گہرائیوں کے ساتھ خدا کی خوشنودی حاصل کرتے اور حمد وثنا میں مصروف رہتے، ہر وقت شکر گذاری ان کا امتیازی وصف تھا، ان کی قربانیوں نے انہیں دنیا میں بھی سرخ رو کیا اور قیامت تک آنے والے طالبان علوم کے لئے بہترین نمونہ بنا دیا، سب کچھ انہوں نے صرف اور صرف کتاب وسنت کی خدمت اور اللہ کی رضاء کے لئے کیا۔

ان کی قربانیوں سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی علوم کی تدوین وتالیف پر فضا وشاداب، مقامات نہروں کے کناروں اور سایہ دار درختوں کے چھاؤں میں بیٹھ کر نہیں ہوئی، بلکہ یہ کام خون جگر کی قربانی دیکر ہوا ہے، اس کے لیے سخت گرمیوں میں پیاس کی ناقابل برداشت تکالیف اٹھانی پڑی اور رات رات بھر ٹمٹماتے چراغ کے سامنے جاگنا پڑا، بلکہ طلب علم کی راہ میں جان عزیز کے قربان کو بھی انہوں نے کوئی بڑا کام تصور نہ کیا، آیئے اب میں انکی جدوجہد اور قربانیوں کے چند نمونہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں تا کہ ہمیں بھی ان کی راہ پر چلنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس جو ''ترجمان القرآن'' کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ ایسے ہی قرآن کے عظیم مفسر نہیں بن گئے بلکہ خوب محنت اور جدوجہد کی، وہ خود فرماتے ہیں:

''میں صحابہ کرام سے پوچھنے اور احادیث معلوم کرنے میں لگ گیا، مجھے (کبھی) پتہ لگتا کہ فلاں صحابی کے پاس حدیث موجود ہے تو میں ان کے مکان پر پہنچتا، وہاں آکر معلوم ہوتا کہ وہ آرام کر رہے ہیں، تو میں اپنی چادر ان کے دروازہ کے سامنے بچھا کر لیٹ جاتا، دوپہر کی گرمی میں ہوا چلتی تو تمام گرد وغبار میرے اوپر آتا۔

جب صاحب خانہ باہر آکر مجھے دیکھتے تو حیرت زدہ ہو کر استفسار کرتے عم زادۂ رسول (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی) کیسے آنا ہوا؟ اور آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی، کسی کو بھیج کر مجھے کیوں نہ بلوالیا؟ میں کہتا: نہیں جناب! مجھے ہی آنا چاہئے تھا، پھر میں ان سے حدیث معلوم کرتا۔ (صبر واستقامت، صفحہ: ۵۰)

(۲) عبدالرحمٰن بن قاسم جو امام مالک کے ممتاز شاگرد تھے وہ کیسے اتنے بڑے فقیہ اور محدث ہوئے۔

قاضی عیاض نے ''ترتیب المدارک'' میں عبدالرحمٰن بن قاسم عُتقی (متوفی ۱۹۱ھ) کے حالات میں لکھا ہے، یاد رہے موصوف کا شمار امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہوتا ہے۔

''ابن قاسم کہتے تھے: میں امام مالکؒ کے پاس، آخر شب کی تاریکی میں پہنچتا اور کبھی دو، کبھی تین یا چار مسئلے دریافت کرتا، اس وقت امام محترم کی طبیعت میں کافی انشراح محسوس ہوتا، ایک دفعہ ان کی چھوکھٹ پر سر رکھے سو گیا، امام مالکؒ نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، لیکن مجھے نیند کے غلبہ میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا، آنکھ اس وقت کھلی جب ان کی ایک کالی کلوٹی باندی نے میرے ٹھوکر مار کر یہ کہا: تیرے آقا چلے گئے، وہ تیری طرح غافل نہیں رہتے، آج ۴۹ سال ہونے کو آئے، انہوں نے فجر کی نماز کبھی کبھار کے علاوہ ہمیشہ عشاء ہی کے وضو سے پڑھی ہے (اس کلوٹی نے آپ کو امام صاحب کے پاس اکثر آتے جاتے دیکھ کر ان کا غلام سمجھا)۔

**امام مالک کے پاس ۱۷/سالہ قیام:**

ابن قاسم کہتے ہیں: میں امام مالک کے پاس مسلسل سترہ سال رہا، لیکن اس مدت میں نہ کچھ بیچا اور نہ کچھ خریدا (ذرا ہمارے وہ طلبہ غور کریں جو اکثر وبیشتر بازاروں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں، کہ سترہ سال میں کبھی خرید وفروخت نہیں کیا)۔

**باپ اور بیٹے کی ملاقات:**

وہ کہتے ہیں: ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، اچانک ایک نقاب پوش نوجوان جو مصر سے حج کرنے کے لیے آیا تھا، مجلس میں پہنچا، اور امام مالک کو سلام کرکے پوچھا، کیا آپ کے یہاں ابن قاسم موجود ہیں؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، وہ آیا اور اسنے میری پیشانی کا

بوسہ لیا، میں نے اس میں ایک نہایت عمدہ خوشبو محسوس کی (جس کا بیان لفظوں میں کرنا مشکل ہے) درحقیقت وہ میرا بیٹا تھا، اور یہ خوشبو اسی سے آرہی تھی، میں جس وقت گھر سے چلا، تو یہ رحم مادر میں تھا، میں اس کی ماں سے جو میری بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ چچیری بہن بھی ہوتی تھی، یہ کہہ کر آیا تھا کہ لمبی مدت کے لیے جارہا ہوں، واپسی کا کچھ پتہ نہیں کہ کب ہو، اس لیے تمہیں اختیار ہے، چاہے میری ہی نکاح میں رہنا، چاہے آزاد ہوکر دوسری جگہ چلی جانا؛ لیکن اس اللہ کی بندی نے آزاد ہونے کے بجائے، میرے ہی نکاح میں رہنے کو اختیار کیا۔ (صبر واستقامت کے پیکر، صفحہ:۵۱تا۵۲)

(۳) محمد بن طاہر مقدسی کے بارے میں آتا ہے کہ طلب حدیث کے خاطر سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں لمبی لمبی مسافت طے کرنے کی وجہ سے بارہا خون کا پیشاب ہوگیا۔ (وفیات الاعیان)

**ابونصر سنجری کا مخلصانہ طلب علم کا دور:**

(۴) حافظ ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ابونصر سنجری کے بارے میں فرماتے ہیں ''عبداللہ بن سعید بن حاتم، ابونصر سنجری (متوفی ۴۴۴ھ) فن حدیث میں ''حافظ'' کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہیں (یہی نہیں بلکہ) آپ اپنے دور میں حدیث پاک کے سب سے بڑے حافظ، امام وقت اور مینارۂ سنت کی حیثیت رکھتے تھے، موصوف حدیث کی طلب میں زمین کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک چکر لگا کر آئے ہیں''۔

**ایک عورت کی پیشکش:**

ابو اسحاق حبال کہتے ہیں: ''میں ایک روز ابونصر سنجری کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اٹھکر اسے کھول دیا، اب میں نے دیکھا کہ ایک عورت مکان میں داخل ہوئی اور اس نے آکر ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے، اور اسے شیخ کے سامنے رکھ کر بولی: ''انہیں جس طرح آپ کا دل چاہے خرچ فرمائیں، شیخ نے پوچھا آخر مقصد کیا ہے، اس نے کہا ''میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے نکاح کرلیں، اگرچہ مجھے شادی بیاہ کی کوئی خواہش نہیں، لیکن اس طرح میں آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

آپ نے کہا: ''تھیلی اٹھا کر یہاں سے چلی جاؤ'' جب وہ چلی گئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''میں اپنے ملک بجستان سے صرف حصول علم کی نیت سے نکلا ہوں، اب اگر میں اس سفر میں شادی بیاہ کے جھمیلے میں پڑوں تو پھر میں ''طالب علم'' کہاں رہوں گا؟ اللہ نے طلب علم پر جو اجر وثواب رکھا ہے، اس پر میں کسی بھی چیز کو ترجیح نہیں دینا چاہتا۔ (صبر واستقامت کے پیکر، صفحہ:۴۴)

(۵) حافظ ابن مندہ اپنے وطن عزیز سے بیس سال کی عمر میں طلب علم کے لیے نکلے اور مسلسل ۴۵ ر سال تک سفر کرتے رہے اور علم حاصل کرتے رہے، ۶۵ ر سال کی عمر میں اپنے وطن واپس ہوئے، جب گھر سے نکلے تو چہرہ پر ایک بال نہ تھا، اور جب لوٹے تو داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے، مگر اتنے عرصے میں کتنا علم حاصل کیا، تو جعفر مستغفری فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابوعبد محمد بن اسحٰق ابن مندہ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ نے کتنا علم حاصل کیا، تو کہا پانچ ہزار من وزن کے برابر، اللہ اکبر۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام شعبیؒ عامر بن شراحیل کوفی ہمدانی بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اتنا سب علم کیسے حاصل، تو فرمایا چار باتوں کا التزام کی وجہ سے:

(۱) کبھی کسی کتاب یا کاپی کے بھروسہ پر نہ رہا یعنی جو سنا سب یاد کرلیا۔

(۲) طلب علم کے لئے در بدر سفر کرتا رہا۔

(۳) جمادات کی طرح صبر کرتا رہا یعنی جمادات کو پانی دو یا نہ دو، کھاد دو یا نہ دو خاموش رہتا ہے، میں بھی بھوک اور پیاس پر صبر کرتا رہا۔

(۴) کوّے کی مانند صبح سویرے اٹھتا رہا یعنی بہت کم سوتا رہا تب جا کر اتنا علم حاصل ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

**(۳) بلند همتی**

میرے عزیز طالب علم ساتھیوں! یہ تھا ہمارے اسلاف کا بے مثال مجاہدہ، معلوم ہوا علم دین کے حصول کے لیے مسلسل جدو جہد اور محنت

اور بلند ہمتی ضروری ہے، علامہ زرنوجی فرماتے ہیں کہ اگر ''محنت خوب'' ہو اور ''بلند ہمتی'' نہ ہو تو بھی علم زیادہ حاصل نہیں ہوتا، اور ''ہمت'' تو ہو مگر ''محنت'' نہ ہو تو بھی علم حاصل نہیں ہوتا، آج ہمارے طلبہ میں یہی بیماری کسی میں ''محنت'' کا جذبہ نہیں اور اگر ''محنت'' کا جذبہ ہے تو ''بلند ہمتی'' نہیں، یعنی کسی بھی کتاب کو جب کچھ محنت کے بعد سمجھ میں نہ آئے تو مشکل سمجھ کر نا امید ہو جاتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے، جیسا کہ ابھی آپ نے ہمارے اسلاف کی محنت اور جدوجہد پر چند حیرت کن حالات پڑھے، ان کی بلند ہمت کے بھی دو تین نمونہ پیش خدمت ہے۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں: کہ مجھے تعجب ہے طلبہ پر اس لیے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ہر قیمتی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بلند ہمتی وجدوجہد درکار ہوتی ہے، مگر علم کے بارے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے ہی حاصل ہو جائے، تو یہ کیسے ممکن ہے جبکہ علم دین تو دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ قیمتی ہے، تو ذرا غور کیجئے اس کے لیے کتنی ہمت اور محنت درکار ہوگی، مسلسل محنت، مسلسل تکرار، راحتوں اور لذتوں کو چھوڑنے سے علم حاصل ہوتا ہے۔

ایک فقیہ فرماتے ہیں: میں ایک مدت تک ہریسہ (عربوں کا ایک لذیذ کھانا) کھانے کی تمنا کرتا رہا مگر کبھی نہ کھا سکا، اس لیے کہ ہریسہ اس وقت بازار میں فروخت ہوتا تھا، جب درس کا وقت ہوتا تھا، میں نے کبھی بھی درس چھوڑنے کو پسند نہیں کیا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل ہو ہی نہیں سکتا، امام مزنیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے امام شافعی سے دریافت کیا، آپ کے حصول علم خواہش کیسی ہے؟ تو فرمایا جب میں کوئی نیا علمی نقطہ یا نئی علمی بات سنتا ہوں تو مجھے اتنی خوشی ہوتی اور لذت ہوتی ہے کہ میرے خواہش ہوتی ہے کہ میرے بدن کے ہر عضو کو قوۃ سماعت ہو اور وہ بھی لذت محسوس کرے۔

پھر کسی نے پوچھا آپ علم پر کتنی حرص رکھتے ہیں جس قدر ایک مال ودولت کو جمع کرنے والا مال کو حاصل کرنے کی حرص رکھتا ہے۔

پھر پوچھا کہ آپ کے علم کی طلب کی کیفیت کیا ہے تو کہا جیسے اس ماں کی جو اپنے گمشدہ بچے کی تلاش میں ہوتی ہے اور اسے اس کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔

امام ثعلبہ فرماتے ہیں کہ میں علم کے خاطر ابراہیم حربی کے پاس پچاس سال مسلسل قیام کیے رہا۔

امام النحو خلیل فراہیدی فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ شاق وہ وقت لگتا ہے جب میں کھا رہا ہوتا ہوں کیوں کہ اس وقت کوئی علمی فائدہ نہیں ہوتا۔

عمار ابن رجا فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں اپنے ہاتھ سے کھانا نہ کھا سکا میں حدیث لکھتا تھا اور میری بہن میرے منہ میں لقمے دیتی تھی۔

❁❁❁


شوگر ختم

جو لوگ شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ اب مایوس نہ ہوں، قدرت نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، ہمارے دیسی علاج سے شوگر کا مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس کا حملہ نہیں ہوتا، شوگر کے وہ مریض جو انگریزی دوائیں کھاتے کھاتے پریشان ہو گئے ہوں اور آرام نہیں ہوتا تو وہ علاج کے لیے آج ہی ہمیں لکھیں، ملیں یا فون پر رابطہ کریں۔

مایوسی کی ضرورت نہیں

بواسیر - پتھری - پورے بدن کا درد - گھٹیا - سانس کا پھولنا

اس کے علاوہ

زنانہ ومردانہ پوشیدہ امراض کا مکمل کامیاب علاج

کمزوری چاہے کسی بھی عمر میں ہو

شادی سے پہلے یا بعد میں کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کریں۔

فون نمبر: 05922-250995

موبائل: 09412391643

پھول والے حکیم

محلّہ ملانہ، امروہہ، ضلع جے۔ پی۔ نگر

(یو۔ پی) 244221

اشتہار

غور وفکر

# مسئلہ فلسطین اور ہندوستان

مولانا اسرار الحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۲۵

ہندوستان اور فلسطین کے مابین تعلقات ایک طویل مدت پر محیط ہیں، اہم بات یہ ہے کہ اس اثناء میں ان تعلقات کے درمیان کبھی کشیدگی پیدا نہیں ہوئی، ہندوستان نے ہمیشہ فلسطین کے مسائل کو محسوس کیا، مسئلہ فلسطین جو وقت کے ساتھ پیچیدگی اختیار کرتا رہا، اس کے سلسلہ میں ہندوستان نے ہمیشہ یہی چاہا کہ یہ مسئلہ جلد سے جلد حل ہوجائے تاکہ جو خون خرابہ عرصہ دراز سے فلسطین میں جاری ہے بند ہوجائے اور فلسطینی عوام امن وسلامتی کی پرسکون چھاؤں میں زندگی بسر کرنے لگیں، مگر چونکہ ''مسئلہ فلسطین'' بین الاقوامی سیاست کا شکار ہوگیا اور بڑی بڑی طاقتوں نے اس کے تعلق سے انصاف کا مظاہرہ نہ کیا، مظلوموں کے درد کو نہ سمجھا اور اسے حل کرنے میں طاقتور ممالک کبھی مخلص نہ رہے، اس لیے یہ مسئلہ آج تک حل نہیں ہوسکا اور اس طرح ہندوستان کی دیرینہ خواہش کی بھی تکمیل نہ ہوسکی۔

فلسطین کے تئیں ہندوستان کا جو نرم رویہ رہا ہے اسے کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جب ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی تشکیل عمل میں آئی تھی اس وقت دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اسرائیل کی حامی تھیں، اگر اسرائیل کو ان کی حمایت وپست پناہی حاصل نہ ہوتی تو دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد اتنی آسانی سے اسرائیل کا وجود عمل میں نہ آتا، اسرائیل کی طرف بین الاقوامی رجحان کو دیکھنے اور نئی آزادی حاصل کرنے کے باوجود ہندوستان نے فلسطین کے تعلق سے اپنے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں کی، یہاں تک کہ اس قضیہ میں، امریکہ، برطانیہ یا دیگر مغربی ممالک کی خواہش کا بھی خیال نہ رکھا گیا، ایک طرف ہندوستان عرب دنیا کے ساتھ مضبوط تعلقات پر قائم رہا اور دوسری جانب اس نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہیں کئے۔

اس کے بعد کئی دہائیاں گزر گئیں، پھر بھی ہندوستان نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کرنے میں کوئی دلچسپی نہ لی، دراصل ہندوستان امن وسلامتی میں گہرا یقین رکھتا ہے، اور وہ کہیں بھی تشدد کا حامی نہیں ہے، اسرائیل کی سفاکیت ودرندگی چونکہ دن بدن بڑھتی جارہی تھی، اور فلسطین کے مفلوک الحال عوام لقمہ اجل بن رہے تھے، اس لیے ہندوستان کا ضمیر قطعاً اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ دوستی کرے۔

اس کے برعکس ہندوستان نے فلسطین کی کھلی حمایت کی، اسے مظلوم ریاست سمجھتے ہوئے اس کے باشندوں کی تکلیف کو محسوس کیا، یہ سب اس نے اس جرأت کے ساتھ کیا کہ کسی بھی طاقت کی ناراضگی کی چنداں فکر نہ کی، ہندوستان نے اپنے عمل سے ساری دنیا کو باور کرادیا کہ فلسطین کے ساتھ اس کی ہمدردیاں جاری ہیں اور انہیں کوئی نہیں چھین سکتا، چنانچہ ۱۹۷۵ء میں اپنے دارالحکومت میں ہندوستان نے پی ایل او کا دفتر کھولنے کی واضح طور سے اجازت دے دی، اور ۱۹۸۰ء میں دونوں کے مابین سفارتی تعلقات قائم ہوگئے، بین الاقوامی رجحان کے خلاف اتنی بڑی جرأت کرنے والا ہندوستان پہلا غیر عرب ملک تھا، اس بات میں تردد نہیں کہ ہندوستان کے اس قدم سے مغربی ممالک چراغ پا ہوئے ہوں گے لیکن ہندوستان نے اس کی کوئی فکر نہیں کی۔

سوال یہ ہے کہ فلسطین کے ساتھ ہندوستان نے اتنا مضبوط تعلق کیوں قائم رکھا؟ اس کے مختلف وجوہات ہوسکتے ہیں، البتہ ان میں

ایک اہم وجہ یہ رہی کہ عرب ممالک کے ساتھ ہندوستان کے دوستانہ تعلقات تھے اور عرب ممالک مشرق وسطی میں اسرائیل کی تشکیل سے سخت ناراض تھے، ہندوستان یہ بھی جانتا تھا کہ عرب ممالک کی یہ ناراضگی بلا وجہ نہ تھی یا وہ ایسا کرنے میں غلطی پر نہ تھے، کیونکہ جس طرح یہودیوں نے فلسطین میں دراندازی کی تھی اور ناپاک چالوں، گہری سازشوں اور بڑی طاقتوں کے سبب ارض فلسطین پر انہوں نے اپنا تسلط جمالیا تھا، وہ عربوں کی غیرت وحمیت کے خلاف تھا، گویا کہ عرب حق پر قائم تھے، ایسے میں ہندوستان پر اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اپنے دوست ممالک کی جائز خواہش کی قدر کرے، دوسری طرف سچائی کا تقاضہ تھا کہ ہندوستان مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں سچائی پر مبنی موقف اختیار کرے اور اس پر قائم رہے۔

فلسطین کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات آج بھی برقرار ہیں جب کہ ہندوستان کے اسرائیل کے ساتھ بھی تعلقات استوار ہوگئے ہیں اور گذشتہ چند سالوں کے دوران دونوں ممالک کے مابین جس طرح اقتصادی اور حربی معاہدے ہوئے ہیں اور دونوں ممالک کے عہدیداروں کا ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا ہوا ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل وہند کے درمیان تعلقات خاصے مضبوط ہو چکے ہیں۔

۱۹۹۲ء میں ان دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہونے کے بعد یہ بات بھی صاف ہوگئی ہے کہ یہ دونوں ممالک دن بدن ایک دوسرے کے قریب آتے جارہے ہیں، البتہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے باوجود ہندوستان نے فلسطین کو فراموش نہیں کیا اور فلسطین کے تئیں اس کی ہمدردی آج تک مسلسل جاری ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۵/ جون ۱۹۹۶ء کو ہندوستان نے غزہ میں اپنا نمائندہ آفس کھولا، اکتوبر ۱۹۹۵ء میں واشنگٹن ڈونرس کانفرنس کے موقع پر ہندوستان نے فلسطینی عوام کی امداد کے لیے ایک ملین امریکی ڈالر کا وعدہ کیا، اسی طرح جنوری ۱۹۹۶ء میں پیرس میں ایک کانفرنس کے دوران فلسطینیوں کی امداد کے لیے ہندوستان کی جانب سے مزید ایک ملین امریکی ڈالر کا اعلان کیا گیا، ۳۰/ نومبر ۱۹۹۸ء کو واشنگٹن میں منعقد ہونے والی ایک اور کانفرنس میں ہندوستان نے فلسطینیوں کی مدد کے لیے ایک ملین امریکی ڈالر کی بات کہی، اسی طرح ہندوستان کے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے فلسطینی اتھارٹی کو ۲۰/ ملین امریکی ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔

تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے اس دوران دونوں ممالک کے لیڈران ایک دوسرے کے ملک کا دورہ کرتے رہے ہیں، جیسا کہ ۲۰/ نومبر ۱۹۹۷ء کو پی ایل او کے صدر یاسر عرفات نے ہندوستان کا دورہ کیا، اس کے بعد وہ ۱۰/ اپریل ۱۹۹۹ء کو ایک روزہ دورہ پر وہ ہندوستان آئے، عرفات نے حیدرآباد میں ایک آڈیٹوریم کی بنیاد رکھی جسے ہندوعرب لیگ کے توسط سے تعمیر کیا جانا تھا، اسی طرح پی ایل او کے ایکزیکٹیو کمیٹی ممبر جناب سلیمان نجاب نے مشرق وسطی میں امن کی تجاویز کے موضوع پر سیمینار جسے ۳/۴ فروری ۱۹۹۸ء کو اقوام متحدہ کے شعبۂ انفارمیشن کے تحت منعقد کیا گیا تھا حصہ لینے کے لیے ہندوستان کا دورہ کیا، فروری ۱۹۹۸ء میں فلسطین کے الیکشن کمیشن کے ڈائریکٹر انتخابی عمل سے متعارف ہونے کے لیے ہندوستان آئے اور وہ الیکشن کا عمل دیکھنے کے لیے گاندھی نگر اور ممبئی بھی گئے، اپریل ۱۹۹۸ء میں ہاؤسنگ اور رابیزجی کے وزیر عبدالرحمٰن حماد نے ہندوستان کا دورہ کیا اور انہوں نے عرب سفراء کے ذریعہ منعقد کردہ ایک سیمینار میں شرکت کی، مئی ۱۹۹۷ء میں ہندوستان کا ایک وفد فلسطین پہنچا جس کی غزہ میں صدر یاسر عرفات سے ملاقات ہوئی۔

قطع نظر اس کے کہ ہندوستان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ومضبوط ہوگئے ہیں، یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہندوستان اسرائیلی جارحیت کی قطعاً حمایت نہیں کرتا، ہندوستان کی نظر میں فلسطین پر اسرائیلی درندگی درست نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی ملک یا اسرائیل کہیں بھی زیادتی کرے ہندوستان اسے مناسب نہیں سمجھتا،

اس کا ثبوت اس بات سے مل جاتا ہے کہ جب ۲۰۰۶ء میں اسرائیل نے لبنان پر پے در پے حملے کئے تھے اور ہزاروں افراد کو آن کی آن میں لقمہ اجل بنادیا تھا، ہندوستان نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ ''جس طرح اسرائیل طاقت کا استعمال کررہاہے وہ غیر مناسب ہے'' وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے اپنی وزارت میں کہا تھا کہ فلسطینی معاملہ سے متعلق ہندوستانی حمایت میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی ہے، وزیر خارجہ کے اس بیان سے ایسا لگتاہے کہ مسئلہ فلسطین کے تعلق سے آج بھی ہندوستان اپنے اسی موقف پر قائم ہے جس پر وہ پہلے تھا۔

فلسطین کے سلسلہ میں ہندوستان کی گرمجوشی کا اعتراف فلسطینی لیڈر محمود عباس نے کچھ یوں کہا: ''ان دونوں ممالک کے مابین تعلقات ہمیشہ اچھے رہے ہیں اور دونوں ممالک ان تعلقات کو بہتر بنانے کی جدوجہد بھی کرتے رہے ہیں، بات کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے مزید کہا جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اندرا گاندھی اور یاسر عرفات کے وقت سے ہندوستان وفلسطین کے مابین بہتر تعلقات رہے اور ان میں روز بروز بہتری آرہی ہے، ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ فلسطین کو ہندوستانی باشندوں کا تعاون حاصل ہے، ان تفصیلات سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ہندوستان وفلسطین کے مابین تعلقات آگے بھی اسی طرح گرمجوشی کے ساتھ منزلیں طے کرتے رہیں گے اور مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں ہندوستان کی رائے مثبت رہے گی، البتہ ہندوستان کو اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور مختلف شعبوں میں معاہدے کرنے پر نظر ثانی کرنی چاہئے کیونکہ تاریخ کی روشنی میں اسرائیل ایک غیر معتمد، جارح اور سازشیں رچنے والا ملک ثابت ہواہے اور صہیونیوں نے کبھی کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھائی، وہ جہاں بھی رہے وہاں تخریب کاری پھیلانے سے باز نہیں آئے اور دیگر اقوام وممالک کے احسانات کی انہوں نے ذرا فکر نہ کی، مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس نکتہ کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ ہمارے ملک میں صہیونیوں کا بڑھتا اثر ورسوخ ملک کے مستقبل کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے۔ ❁❁❁


## مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

## اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰؍روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰؍روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳؍روپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰؍روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰؍روپئے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵؍روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰؍روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰؍روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰؍روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸؍روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰؍روپئے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷ مضامین کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰ بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰؍روپئے

**ملنے کا پتہ**

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

یادرفتگاں

# شہید ملت شیخ احمد یاسین علیہ الرحمہ

# جو اسلام کا ایک معجزہ تھے، ملت جن کو صدیوں یاد رکھے گی

مولانا محمد الیاس ندوی، بھٹکلی

''جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں جو اسرائیلی فوج پر گھات لگا کر حملے کر رہے ہیں؛ لیکن میں ان میں سے کسی ایک کا نام بھی آپ کو بتا نہیں سکتا، چاہے اس کے لیے میرے جسم کے بچے ہوئے ان اعضاء کو بھی آپ مفلوج کریں جو صحیح سلامت ہیں''۔

یہ تھے وہ ایمانی جذبات اور پر جوش اسلامی جوابات جو عالم اسلام کے مرشد روحانی شیخ احمد یاسینؒ نے ان اسرائیلی تفتیش کاروں سے کہے تھے، جو انہیں غزہ شہر کے جیل میں ٹارچر کرتے ہوئے ان سے حماس کے راز اگلوانا چاہتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں تیرہ سال کی عمر میں معمول کی اپنی ورزش کے دوران ایک پہاڑی سے کودتے ہوئے ان کی گردن ایک چٹان سے ٹکرا گئی جس سے ان کے جسم کا گردن سے نیچے کا پورا حصہ مفلوج ہو گیا، ۶۶ر سال کی عمر میں وفات تک مسلسل ۵۱ر سال انہوں نے جس صبر وضبط کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے مقدر اس آزمائش پر صابر وشاکر بن کر زندگی گزاری یہی ادا ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔

اللہ کو اپنے اس معذور، مفلوج بندہ سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب انہوں نے فلسطین میں ملازمت کے لیے ایک جگہ درخواست دی تو اس شعبہ کے اعلی افسر نے انٹرویو کے تمام مراحل میں بآسانی کامیاب ہونے کے باوجود صرف یہ کہہ کر ان کے تقرر نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ مفلوج ہیں، اپنے محبوب بندہ کے ساتھ اس کا یہ ناروا سلوک اللہ کو اتنا ناپسند آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جب خود اس افسر کے یہاں بچہ کی ولادت ہوئی تو وہ ان سے بھی زیادہ معذور تھا۔

ہماری اس پوری گزشتہ صدی میں کروڑوں مسلمانوں میں جنھیں انگلی پر گنے جا سکنے والے اللہ کے محبوب بندوں نے اپنے پیچھے اپنی اسلامی خدمات کے دیرپا نقوش چھوڑے اور امت کے تمام طبقات میں یکساں محبوب ومقبول رہ کر، ان کے لیے نمونہ بن کر، زندگی گزار کر، آخرت کو کوچ کر گئے، ان میں سرفہرست شیخ یاسین تھے، جن کے لیے جسمانی اعذار اور موانع ان کے دینی مشن میں حائل نہیں بنے اور اسلام کے لیے ناقابل فراموش خدمات کے ان کے عزم میں ان کو مفلوج ومعذور جسم بھی رکاوٹ نہیں بنا۔

اسرائیلی عدالت میں جرح کے دوران شیخ کے وکیل صفائی نے ان کو سنائی جانے والی سزا پر جج سے یہ کہا کہ آپ معذور ومفلوج شخص کو سزا دے کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس جج کا جواب تھا کہ معذور ان کا جسم ہے نہ کہ ان کا دل ودماغ جس سے یہ وہ کام کر رہے ہیں، جو سالم جسم والا بھی نہیں کرتا اور ہمیں خطرہ ان کے اسی دماغ سے ہے نہ کہ ان کے جسم سے۔

۱۹۸۴ء میں ان کو اسرائیلیوں کے قتل میں ملزم قرار دے کر تیرہ سال کی سزا دی گئی لیکن تیرہ ماہ بعد ۱۹۸۵ء میں فلسطینی اور اسرائیلی قیدیوں کے تبادلہ میں وہ بھی رہا ہو گئے، جس کے بعد ان کا اصل مشن

شروع ہوا اور فلسطین کی یاسر عرفات کی سیکولر مسلم قیادت سے مایوس ہوکر انہوں نے دسمبر ۱۹۸۷ء میں تحریک حماس یعنی انتفاضہ شروع کی اور گھر گھر فلسطینیوں تک ان کا یہ پیغام پہنچا کہ ظالم یہودیوں اور اسرائیلیوں کے ظلم وجور سے بچنے کے لیے جس طرح جہاں اور جیسے ممکن ہو مزاحمت کر کے ان کو نقصان پہنچانا چاہئے اور ان کا جینا دوبھر کردینا چاہئے، انتفاضہ یعنی نہتے فلسطینی مجاہدین کی اس تحریک نے غلیلوں اور پتھروں سے چند ہی ماہ میں وہ اثر دکھایا جو یاسر عرفات کی تحریک ''الفتح'' نے بیس سال میں نہیں دکھایا تھا، چنانچہ امریکی رسالہ ٹائمز کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ فلسطینیوں میں پیدا ہونے والی دینی بیداری کے پس پردہ شیخ یاسین اور ان کی تحریک حماس ہی ہے، اسرائیل کے خلاف تحریک انتفاضہ کا ایک دوسرا فائدہ خود فلسطینیوں کو ذاتی طور پر بھی ہوا کہ اس تحریک نے ان میں اسرائیل کے خلاف اللہ کے بھروسہ پر جدوجہد کے ساتھ خود ان میں دینی اثرات پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا، نوجوان مسلم طالبات اور خواتین میں پردہ کا رواج ہوا، مسجدیں نمازیوں سے بھرنے لگیں، دین پسندی اور دین سے نسبت پر نوجوان فخر کرنے لگے اور فلسطین میں اخلاقی وروحانی ماحول بھی پیدا ہوا، شیخ عوام میں بھی غیر معمولی مقبول تھے، انہوں نے سماجی اور رفاہی امور کی انجام دہی، غریبوں کی مدد اور بیواؤں کی خبرگیری کے علاوہ مساجد کی تعمیر وغیرہ کے لیے ''المجمع الاسلامی'' کے نام سے ۱۹۸۴ء میں ایک ادارہ قائم کیا، جس کے وہ خود جنرل سکریٹری بھی تھے۔

شیخ پر اپنی جانیں نثار کرنے والے لاکھوں لوگوں میں دنیا کے چوٹی کے مالدار، مسلم تاجر بھی تھے، لیکن شیخ نے ان سے ان مالی وسائل کے بجائے ہمیشہ ان کی جانی وجسمانی قربانی طلب کی اور جذبہ ایمانی اور ولولہ ایمانی کو ان میں ابھارنے کی کوشش کی، اپنی بیوی اور گیارہ بچوں کے ساتھ وہ فلسطین پر اسرائیل کے قبضہ کے بعد سے مسلسل ۲۵ رسال تک غزہ کے مہاجر کیمپوں میں زندگی گزارتے رہے، جس کے بعد ان کے بعض شاگردوں کے اصرار پر غزہ کے محلّہ جورۃ الشمّس میں ان کے لیے ایک جگہ خرید کر ایک منزلہ ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کیا گیا جہاں وہ شہادت تک مقیم رہے، شیخ کی ولادت ۱۹۳۸ء میں ہوئی، وہ اپنے چار بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے، تین سال کی عمر ہی میں سایہ پدری سے محروم ہوکر یتیم ہوگئے، اعلی تعلیم کے لیے وہ قاہرہ یونیورسٹی جانا چاہتے تھے، لیکن منظوری آنے کے باوجود مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ اپنی اعلی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور جامعہ عین الشمّس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۸۴ء تک وہ بحیثیت استاد تدریس کے ذریعہ ملنے والی اپنی معمولی تنخواہ ہی پر گزر بسر کرتے رہے، اپنی معذوری کے باوجود ان کی سب سے حیرت انگیز اور قابل تقلید خصوصیت جو تھی وہ تہجد کے علاوہ ان کا نماز باجماعت کا اہتمام تھا، گھر سے مسجد فاصلہ پر ہونے کے باوجود عام نمازوں کے علاوہ وہ فجر کی نماز میں بھی ہمیشہ پابندی سے مسجد کی جماعت میں اپنی وہیل چیر پر جاکر شریک ہوتے تھے، اللہ کو ان کا یہ عمل اتنا پسند تھا کہ فجر کی نماز مسجد میں ادا کر کے گھر واپس ہوتے ہوئے ہی اللہ نے ان کو شہادت کا قابل رشک اعزاز فرمایا۔

اسرائیل سمجھتا تھا کہ شیخ احمد یاسین کسی شخص کا نام ہے، اور اس کو ختم کرنے سے تحریک مزاحمت کو ختم کیا جاسکتا ہے، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ شیخ احمد یاسین ایک جذبہ ایمانی، ولولہ اسلامی اور غیر ملی کا نام تھا جو قیامت تک کے لیے وہ اپنے جانشینوں میں منتقل کر کے اپنے رب کے حضور پہنچ گئے، آثار وقرائن بتارہے ہیں کہ ان کے سانحہ شہادت بیت المقدس کی فتح کو پہلے سے زیادہ قریب کردیا ہے اور شیخ کا خون شہادت رنگ دکھانے والا ہے، شیخ اپنے پیچھے اسلام اور فلسطینی کاز کے لیے جو ناقابل فراموش خدمات چھوڑ کر گئے ہیں اس کو ملت صدیوں یاد رکھے گی اور اپنے اس مایہ ناز سپوت اور قابل فخر فرزند کو مدتوں نہیں بھلا پائے گی، اللہ پوری امت کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

دعوت توحید

# اللہ کی حاکمیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں

خالد سلیم مکان نمبر ۱۶/ روجے پارک یمنا وہار، دہلی

دنیا کے اکثر انسان اس بات سے ناواقف ہیں کہ ان کی پیدائش کا کیا مقصد ہے اور ان کو اس فانی دنیا میں کیا کرنا چاہئے، اکثر لوگ اپنی زندگی کا واحد مقصد کھانا، کمانا، عیش کرنا، اپنے بیوی بچوں کی فکر کرنا اور فقط اپنے لیے جینا ہی سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، عوام کی یہ اکثریت جائز ناجائز، اچھے اور برے میں تمیز نہیں کرتی، یہ لوگ بے رحم، سخت مزاج، تنگ دل اور بد دماغ ہوتے ہیں؛ کیونکہ ان لوگوں کو کسی قسم کی جوابدہی کا خوف نہیں ہوتا، ان لوگوں کو نہ موت کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی ان کو موت کے بعد زندگی کا کوئی خوف اور ڈر رہتا ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالی اور اس کی حاکمیت واقتدار کو مانتے ہی نہیں، اسی وجہ سے ان کے دل بے خوف رہتے ہیں اور زندگی کا کوئی واضح مقصد متعین نہیں کر پاتے، یہ لوگ دنیا میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور اللہ تعالی کی حاکمیت کو نہیں مانتے جب کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں صاف لفظوں میں فرمادیا۔

اپنا حکم چلانا صرف اللہ کا ہی حق ہے، بندوں کو تو اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی نہ کریں کیونکہ بندوں کے لیے زندگی کا صحیح طریقہ یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، کیا یہ بات درست اور سچ نہیں ہے کہ یہ پوری کائنات کتنے منظم طریقہ سے بنائی گئی ہے اور ہر چیز کتنے صحیح انداز میں کام کر رہی ہے، اس کائنات کا نظام کتنے اچھے ڈھنگ سے چل رہا ہے، سورج، چاند، ستارے اپنے اپنے وقت میں نکلتے اور چھپتے ہیں، دن اور رات کا نظام، موسموں کی تبدیلیاں، بارشیں، سمندروں کا جال، پہاڑوں کا یہ سلسلہ، زمین اور آسمانوں کا قائم ودائم رہنا، کیا یہ پوری کائنات بلاوجہ وجود میں آ گئی تھی اور کیا یہ اسی طرح بغیر کسی غیبی طاقت کے سہارے کے بغیر کھڑی ہوئی ہے اور یہ نظام یوں ہی چل رہا ہے، ظاہر بات ہے ایسا بالکل نہیں ہے، اس پوری کائنات کو چلانے والی ایک عظیم ہستی ہے جو پوری کائنات کی خالق ہے اور ہر چیز پر جس کا حکم چل رہا ہے، اس کے اشارے کے بغیر اس کائنات کا ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا، وہی حاکم اعلی ہے، اس کائنات پر اسی کا اقتدار ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے، اللہ نے انسان کو اس کائنات میں پیدا کر کے اس کو اور بھی زیادہ خوبصورت بنا دیا ہے اور اس پوری کائنات کو انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا قرآن میں کہا گیا ہے ہم نے نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو مگر اپنی عبادت کے لیے۔

جنات اور انسانوں کو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو اللہ کی محکومی کے لیے وقف کر دے اور ہر کام میں اللہ کی مرضی اور منشاء کو تلاش کر لے، کیونکہ وہی رب ہے، وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے، مرنے کے بعد اسی کے سامنے جانا ہوگا اور اپنی زندگی کے ہر ہر پل کا حساب اس کو دینا پڑے گا۔

اور ایسے کتنے لوگ ہیں جن کو یہ شعور ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے رب کی منشاء اور مرضی کے مطابق گزاریں، اللہ کے حکم سے سرتابی نہ کریں، اللہ کے ڈر اور خوف کے سایہ میں جئیں اور جو لوگ اللہ تعالی کی حاکمیت کو تسلیم کر کے خود اس کے حوالے کر دیتے ہیں، یقیناً ایسے لوگ ہی کامیاب اور بامراد ہیں۔ ﴿بقیہ......صفحہ ۴۰/ پر﴾

سکون دل

# روحانی اور تربیتی ماحول میں شب گزاری

حمیداللہ قاسمی کبیرنگری

۱۴؍جنوری بروز جمعرات کی شام کو مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد نے شعبہ انگریزی میں پڑھنے والے تمام فضلاء کے لیے روحانی اور تربیتی ماحول میں کچھ وقت گزارنے اور اہل اللہ کی صحبت میں رہنے اور ذکر الٰہی کی خصوصیات حاصل کرنے کے لیے رائے پور خانقاہ جانے کا پروگرام بنایا، اس لیے تمام فضلاء ظہر کے بعد وہاں کے لیے روانہ ہوگئے، اور احقر کو مفتی صاحب کے ساتھ جانے کا موقع ملا، رائے پور عام طور سے کبھی کبھار جانے کا موقع مل ہی جاتا ہے، مفتی صاحب کے ساتھ مولانا محمد ساجد ندوی محمد پوری اور یہ ناچیز راقم تھا، پہلے تو ہم لوگ سنسار پور حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب کے یہاں گئے اور عصر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد حضرت مولانا سنسار پوری سے سلام ومصافحہ ہوا، حضرت دیکھتے ہی مجھے فوراً پہچان گئے اور خیریت وعافیت پوچھنے لگے۔

ہم لوگوں کا سفر چونکہ رائے پور کا تھا، اس لیے مفتی صاحب نے حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سے عرض کیا کہ ہم لوگ رائے پور جارہے ہیں، اور حضرت سے دعا کی درخواست کرکے رائے پور کے لیے روانہ ہوگئے، مغرب کی نماز سے کچھ وقت پہلے ہم رائے پور خانقاہ پہنچے، خانقاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب اپنے حجرے سے نکل کر ایک دروازے کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہے ہیں، اس وقت حضرت کے اوپر ''استغراق'' کی کیفیت طاری تھی، کسی کو پہچانتے نہیں تھے اور اکثر اوقات ایسے ہی رہتے ہیں، زبان پر ہمیشہ ذکر الٰہی کا ورد رہتا ہے، خادم حضرت کو کمرے میں لے گئے اور ہم لوگ چائے پانی میں لگ گئے، تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ کمرے سے باہر نکلے تو مفتی صاحب نے فوراً آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، اور میں نے بھی مصافحہ کیا، تین چار لوگ جو وہاں موجود تھے سبھوں نے مصافحہ کیا، اس وقت حضرت نے سب سے مصافحہ کیا اور دعائیں بھی دیں۔

اس کے بعد مغرب کی اذان ہوگئی، اور سب لوگ مسجد کی طرف جانے لگے، ہم لوگ بھی مسجد کی طرف چل دیئے، مسجد میں جاکر نماز ادا کی، پھر سنن ونوافل کے بعد خانقاہ میں آگئے، ہمارے ساتھ چونکہ مرکز کے شعبہ انگریزی ''ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر'' کے تمام فضلا اور علماء تھے، اس لیے ہمارے مرکز کے روح رواں مفتی محمد مسعود عزیزی صاحب ان سب کو سمجھانے لگے کہ جس مقصد سے آپ لوگ یہاں پر آئے ہو، اس میں مشغول ہوجاؤ، جو لوگ رائے پور خانقاہ میں آتے ہیں وہ اپنے دل کی دنیا بدلنے اور اپنے درد کی دوا لینے آتے ہیں، اس لیے تم لوگ بھی اس کی تلاش میں لگ جاؤ اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاؤ۔

تمام فضلاء مفتی صاحب سے کہنے لگے کہ کچھ نصیحت کردیجئے، تو ہمارے مفتی صاحب علماء وفضلاء کو سمجھانے لگے کہ خانقاہ میں لوگ اس لیے آتے ہیں کہ ان کے دل میں جو گندگی ہے، وہ صاف ہوجائے اور آپ لوگ بھی جو یہاں آئے ہو، اس لیے کہ اپنے دل کی صفائی کرو اور اپنے گناہوں پر استغفار کرو، آپ لوگ ذکر واذکار میں لگ جاؤ اور خانقاہ کی اصل چیز ذکر ہی ہے، یہاں ساری بیماریوں کی دوا صرف ذکر

ہے، اور ذکر کرنے سے دل کی صفائی ہوتی ہے، جس طرح لوہار لوہے کو آگ کی تپش سے اس پر لگے ہوئے زنگ کو دور کرتا ہے اور پیٹ پیٹ کر صیقل کرتا ہے، اسی طرح آپ لوگ بھی ذکر کر کے دل پر جو گندگی لگی ہے وہ دور کرو، ذکر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اور جب دل صاف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دل پر ایک الارم (گھنٹی) لگا دیتا ہے، جب انسان کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ الارم بجنے لگتا ہے، جس سے انسان اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

مفتی صاحب نے ان فضلاء کو مزید باتیں سمجھائیں اور قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں تزکیہ نفس اور اصلاح قلب اور ذکر الٰہی کے سلسلہ میں گفتگو فرمائی اور "الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" کی تشریح فرمائی، اور فرمایا کہ اس وقت ہر آدمی سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے، مگر اصلی سکون کی جگہ پر نہیں پہنچ رہا ہے، سکون دل اور حقیقی سکون ذکر الٰہی اور اللہ کی یاد میں ہی نصیب ہوتا ہے مزید اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور جس کو معرفت الٰہی حاصل ہو جائے اس کو سکون و راحت مل ہی جاتی ہے، یہی سب باتیں بتا رہے تھے اور بندۂ ناچیز تھوڑے فاصلے پر بیٹھ کر زبانی تلاوت کرنے لگا، پھر دیکھا کہ مفتی صاحب ان فضلاء کو نفی و اثبات کے ذکر کرنے کا طریقہ سکھا رہے ہیں، چونکہ مجھے تھوڑا بہت ذکر کرنا آتا ہی تھا، لیکن اچھے طریقہ سے ذکر کرنا نہیں آتا تھا، فوراً میرے دماغ میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی بات آ گئی تو تلاوت بند کر کے ذکر سیکھنے میں لگ گیا، چونکہ حاجی صاحب نے اپنے مرید جناب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کہا تھا "کہ میاں رشید جب تمہیں ذکر کرنا ہی تھا تو سیکھ کر کرتے"۔

تھانہ بھون میں ایک بزرگ تھے (حاجی امداد اللہ صاحب) بڑے اللہ والے تھے، ان کو سبھی لوگ جانتے تھے، اس لیے ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے، ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اور ان سے دعا کرانے کے لیے لوگ وہاں جاتے تھے، اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے سوچا کہ تھانہ بھون حضرت حاجی (امداد اللہ صاحب) سے مل کر آتے ہیں، وہاں گئے اور حضرت کی صحبت میں جا کر بیٹھ گئے، دعا و سلام کے بعد تھوڑی دیر صحبت میں رہے، انہوں نے کہا اچھا حضرت چل رہا ہوں، صبح گھنٹہ لینا ہے، کلاس لینی ہے، بچوں کو پڑھانا ہے اور ابھی جانا ضروری ہے، مولانا نے سوچا کہ ابھی جا کر آرام بھی کر لوں گا اور صبح پڑھا بھی دونگا، اگر صبح جاؤں گا تو فوراً پڑھا نہیں سکتا، آرام ضروری ہے، حاجی صاحب نے کہا کہ بھائی آج یہیں رہ لو، تو انہوں نے کہا کہ حضرت رہ تو لیتا لیکن یہاں لوگ ذکر و اذکار کرتے ہیں، میری نیند میں خلل پڑے گا اور مجھے دقت ہوگی، حضرت نے کہا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، رات کو تمہیں کوئی نہیں اٹھائے گا، تم سوتے رہنا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے، منظور ہے، آج رات آپ کے پاس رہ لیتا ہوں، تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے خادم سے کہا کہ دیکھ بھائی یہ مولانا جو تشریف لائے ہیں، ان کا بستر میرے پاس لگا دینا۔

جب سونے کا وقت ہوا تو خادم نے مولانا (رشید احمد صاحب گنگوہیؒ) کا بستر حاجی صاحب کے پاس لگا دیا، جب تہجد کا وقت ہوا تو حاجی صاحب اور دوسرے لوگ سب ذکر و اذکار اور نوافل میں مشغول ہو گئے، جب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی آنکھ کھلی، تو دیکھا کہ کوئی نفل پڑھ رہا ہے اور کوئی ذکر کر رہا ہے، تو انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں بھی تو مولوی ہوں اور گنگوہ سے آیا ہوں، یہاں کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی سجدہ میں ہے، تو کوئی رکوع میں ہے، شب گزاری کے متعلق قرآن کی آیتیں ذہن میں آنے لگیں، پھر وہ اٹھے اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگے، اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو گئے، فجر کی نماز کے بعد حاجی صاحب کی مجلس لگی، تو حاجی صاحب نے پوچھا کہ بھائی وہ کہاں ہے، جو ہمارے برابر میں بیٹھا ذکر کر رہا تھا، وہ کون تھا؟ تو مولانا نے کہا کہ حضرت وہ تو میں ہی تھا، تو حاجی صاحب نے کہا کہ اللہ کے بندے جب ذکر کرنا ہی تھا، تو کچھ سیکھ کر تو کرتا، بغیر سیکھے ذکر کر رہے تھے، تو انہوں نے کہا حضرت بتلاؤ سیکھوں گا، تو حاجی صاحب نے

مولانا رشید احمد گنگوہی کو ذکر کے طریقے بتلائے اور پھر ان کو اپنا خاص بنالیا۔

خیر مفتی صاحب فضلاء کو ذکر کا طریقہ بتلا کر خود ذکر میں لگ گئے اور بندۂ ناچیز بھی ذکر میں مشغول ہوگیا، کچھ دیر کے بعد خانقاہ کے ایک خادم نے آکر کہا چلو کھانا کھالیجئے، سبھوں نے جا کر کھانا کھایا، اور پھر عشاء کی نماز کے لیے سب مسجد میں جانے لگے، ہم نے خانقاہ ہی میں وضو کیا، اس کے بعد مسجد میں گئے، عشاء کی نماز کے بعد امام صاحب سے ملاقات ہوئی، جو مفتی صاحب کے شناسا تھے، میں بھی صورتاً پہچانتا تھا، مگر اچھی طرح واقف نہ تھا، چنانچہ وہ ہم لوگوں کو اپنے کمرہ میں لے گئے اور کچھ چیزیں بتلائی، اس کے بعد ہم سب سونے کے لیے خانقاہ میں آگئے۔

صبح سب لوگ تہجد کے وقت اٹھ گئے، تمام لوگ نوافل سے فراغت کے بعد پھر ذکر میں مشغول ہوگئے، صبح فجر کی نماز کے بعد جب ہم لوگ مسجد سے نکلنے لگے تو جناب الحاج منشی عتیق احمد صاحب (ناظم مدرسہ فیض ہدایت رحیمی خانقاہ رائے پور) نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ یہاں کے طلبہ کو کچھ نصیحت فرما دیجئے، مفتی صاحب نے کہا ٹھیک ہے، طلبہ کو سمجھانے کے لیے مسجد ہی میں اکٹھا کیا گیا، مفتی صاحب نے حمد وصلاۃ کے بعد طلبہ سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کو اللہ نے اپنے دین کے لیے خاص کیا ہے، تم بڑی قسمت والے ہو اور تمہارے والدین اس کے لیے مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تمہیں اس جگہ پر بھیجا ہے، مفتی صاحب نے اپنی تقریر میں طلبہ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلائی:

(۱) اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ

(۲) اس جگہ کی اہمیت کو پہچانو

میرے پیارے عزیزو! تم کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کے لیے خاص کیا ہے، اس لیے محنت سے علم سیکھو اور برائیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، چونکہ علم اللہ کا نور ہے، اور اللہ کا نور عاصی اور گنہ گاروں کو نہیں دیا جاتا ہے، اس پر مفتی صاحب نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کی تفصیل بیان کی کہ امام شافعی نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کہ حضرت میں جو کچھ یاد کرتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں اور میرے دماغ میں کچھ نہیں رہتا، تو آپ نے کہا کہ میرے استاذ حضرت وکیعؒ نے معصیت کے ترک کرنے کی نصیحت کی، اس لیے کہ علم اللہ کا نور ہے، اور اللہ کا نور عاصی کو نہیں دیا جاتا، پھر اس شعر کو پڑھ کر سمجھایا: ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
لان العلم نور من اله
ونور اللّٰه لا یعطی لعاصی

دوسری بات یہ تھی کہ یہ جگہ بہت اہم ہے، اس کی قدر کرو، اس جگہ پر آنے کے لیے بہت لوگ ترستے ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں پر بڑے بڑے علماء اور اپنے وقت کے محدث، بڑے اللہ والے، جن کی ذات گرامی سے دنیا میں علم ومعرفت کے فیوض جاری ہیں، انھوں نے بھی یہاں آکر اپنے وقت کو لگایا، یہاں عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے آئے، شیخ الہند یہاں آئے، حضرت مدنی آئے، رئیس الاحرار آئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب آئے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب آئے، یہاں اپنے اپنے وقت کی بڑی بڑی شخصیتیں کچھ سیکھنے اور لینے کے لیے آئیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے ان سے کتنا بڑا دین کا کام لیا، وہ ہستیاں یہاں کی صحبت، یہاں کے ذکر واذکار اور یہاں کے ماحول کی تربیت یافتہ تھیں، اس لیے آپ لوگ بہت قابل مبارک باد ہیں، آپ لوگ تو یہاں پڑھنے کے لیے آئے ہو، اس لیے زیادہ سے زیادہ وقت پڑھنے میں صرف کرو، یہ وہ جگہ ہے کہ اگر یہاں پر کوئی آدمی بن گیا تو دنیا میں کہیں بھی جائے گا بگڑ نہیں سکتا اور جو یہاں بگڑ گیا وہ شاید ہی کہیں جا کر سدھر سکے، اس لیے آپ لوگ اس جگہ کی قدر کرو۔

تفصیلی خطاب کے بعد اشراق کا وقت ہوگیا تھا، تمام فضلاء نے اشراق کی نماز پڑھی اور پھر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزار پر ایصال ثواب کے لیے حاضری ہوئی، اس کے بعد ہمارے مفتی صاحب کے شیخ حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کے مزار پر حاضری ہوئی اور ان کو ایصال ثواب کیا، اسی جگہ مفتی صاحب نے یہ بتایا کہ مولانا! قاعدہ بغدادی کے مصنف مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی بھی اسی جگہ پر مدفون ہیں، یہ قبرستان میں مسجد کے شمال میں واقع ہے۔

اس کے بعد ناشتہ کیا، ناشتہ کے بعد حضرت سے ملنے کے لیے ان کے کمرے میں گئے، حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مفتی صاحب کو تھوڑا بہت پہچان گئے، تھوڑی دیران کے پاس ہم لوگ بیٹھے، پھر وہاں سے آ گئے۔

بہرحال بزرگوں کے پاس جانا، ان سے رابطہ رکھنا اوران سے اپنی ذات کی اصلاح کرانا، ہر مسلمان کا نصب العین ہونا چاہئے؛ کیونکہ بزرگوں، اولیاء اور مشائخ کی مجلسوں میں جانے سے جہاں اپنی ذات کی اصلاح ہوتی ہے وہیں دل کو سکون بھی ملتا ہے، کیونکہ ان کے یہاں ہر وقت اللہ تعالی کا ذکر ہوتا رہتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا سب سے بہترین راستہ یہی ہے، بزرگان دین اور اہل اللہ حضرات ہی اللہ کے راستہ کے صحیح سالک ہیں، جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اوران کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری وباطنی حرکات وسکنات نبوت کے چراغ سے ماخوذ ہوتے ہیں، اورنور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں، جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

اس لیے نرا علم اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتا جب تک کسی بزرگ کی صحبت میں رہ کر، کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کا تزکیہ، اپنے دل کی صفائی نہ کرائی ہو، اس لیے کہ نفس کا تزکیہ بزرگوں کی جوتیوں میں بیٹھ کر اوراپنے آپ کو صحیح راسخ العقیدہ، صاحب دل کو سونپ کر، ان کی نگرانی میں ہی دل کی صفائی کا کام انجام پاتا ہے۔

اس لیے کہ صاف دل ہی اللہ کے یہاں مقبول اورنافع ہے "یوم لاينفع مال ولابنون إلا من أتى الله بقلب سليم" اس دن کہ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی، صرف صاف ستھرا دل ہی کام آئے گا، جس میں نہ شرک کی آمیزش ہو، نہ غیر اللہ کی محبت ہو، نہ دنیا کی گندگی وآلائش ہو، بلکہ وہ ہرطرح کے شرک جلی وشرک خفی اور ہر طرح کی برائی وبے اعتدالی سے پاک وصاف ہو، اس لیے علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کی دولت حاصل کرنا بھی ضروری ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من تفقه ولم يتصوف فقد تزندق، ومن تصوف ولم يتفقه فقد تقشف، ومن جمع بينهما فقد تحقق" کہ جس نے علم ظاہری حاصل کیا اورعلم باطنی سے محروم رہا، تو وہ ٹھیٹھ زندیق ہے اور جس نے علم باطن کی دولت حاصل کی اور علم ظاہر حاصل نہیں کیا وہ نرا خشک ہے اور جس نے علم ظاہر اور علم باطن دونوں کو حاصل کیا تو اس نے حقیقت میں علم حاصل کیا، اس لیے طلبہ عزیز کو مدارس میں علم ظاہر حاصل کرکے کسی خانقاہ میں، کسی اللہ والے کے پاس رہ کر علم باطن کو بھی حاصل کرنا چاہئے، اللہ تعالی تمام طالبان علوم نبوت کو اس کی توفیق دے۔

# تورق، وضاحت اور حکم

**تورق کی لغوی تعریف:**

التورق من الورق بكسر الراء، الفضة المضروبة وقيل: "الفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة"۔

لفظ تورق ''ورق'' سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں چاندی کے، خواہ وہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں، یہ لفظ قرآن کریم میں سورۂ کہف میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے "فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة" اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ (چاندی کا سکہ) دے کر شہر میں بھیجو۔

تورق تفعل کے وزن پر ہے اور باب تفعل کی ایک خاصیت تکلف ہے یعنی آدمی کا بتکلف مشقت سے وہ کام کرنا جس کا وہ اہل نہ ہو، جیسے تحلم بتکلف بردبار بننا، تشجع بتکلف بہادر بننا وغیرہ، اس اعتبار سے تورق کے معنی ہوں گے آدمی کا حصول مال وزر میں مشقت اور کوشش کرنا۔

**تورق کی اصطلاحی تعریف:**

اس کی اصلاحی تعریف یوں کی گئی ہے: "أن يشترى المرء سلعة نسيئة ثم يبيعها نقداً لغير البائع بأقل مما اشتراها به ليحصل بذلك على النقد" آدمی کوئی سامان ادھار خریدے پھر بائع کے علاوہ کسی اور آدمی کے ہاتھ وہ سامان خریدی ہوئی قیمت سے کم میں نقد بیچ دے، تاکہ نقد مال حاصل ہو جائے۔

تورق ایک اصطلاح ہے جس کا مکمل تذکرہ فقہائے حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، دوسرے ائمہ نے اس کا ذکر صراحۃً نہیں بلکہ ضمناً کیا ہے، شوافع کے نزدیک یہ اصطلاح ''زرنقہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

**تورق کا حکم:**

جہاں تک تورق کے جواز اور عدم جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- بیع تورق (مذکورہ بالا طریقہ سے حصول مال وزر کی سعی وکوشش کرنا ہے) جمہور فقہاء یعنی احناب، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جائز ہے۔

۲- بیع تورق ناجائز اور حرام ہے، یہ قول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، اسی قول کو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیمؒ نے اختیار کیا ہے۔

ایک قول تورق کی کراہت کا بھی ملتا ہے، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کی طرف منسوب ہے، لیکن احناف کی جن فقہی کتب کی عبارتوں کے حوالے سے ان بزرگوں کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے وہ صراحت کے ساتھ بیع عینہ کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم

**قائلین جواز کے دلائل:**

۱- درج ذیل آیت کے عموم سے جمہور فقہاء استدلال کرتے ہیں، بایں طور کہ ان میں اور ان جیسی دیگر آیات میں بیع کو مطلق جائز قرار دیا گیا ہے:

الف: "احل الله البيع و حرم الربو" اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

ب:"وقدفصل لكم ماحرم عليكم" اورتحقیق کی اللہ نےتم کو ان تمام چیزوں کی تفصیل بتادی ہےجن کوتم پرحرام کیا ہے۔

ج:"يـاأيهـا الـذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" اےایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، الا یہ کہ آپس میں باہمی رضامندی سےکوئی تجارت ہوتو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲:عـن أبـي سـعيـد الخدري وأبي هريرة رضي الله عنهما أن رسـول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلاً على خيبر فجاء ه بتـمر جنيب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل تمر خيبر هـكـذا، قـال:لاوالـلـه يـارسـول الـلـه إنـا لنـأخذ الصـاع من هـذابـالصاعين، والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"لاتفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيباً"۔

حضرت ابوسعید خدری اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کوخیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں، انہوں نے عرض کیا، نہیں اے اللہ کے رسول! بلکہ ہم اس کا ایک صاع دوصاع کے بدلے اور دوصاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا مت کیا کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خریدلیا کرو''۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود سے بچنے کا ایک حیلہ ان صحابی کو بتایا ہے اور تورق بھی سود سے بچنے کا ہی ایک حیلہ ہے، لہٰذا جائز اور درست ہوگا۔

۳-تورق بھی عام مشروع تجارتوں کی طرح ایک تجارت ہے جس طرح عام تجارتوں میں نقد، ادھار، کبھی نفع کے ساتھ، کبھی بغیر نفع بیچنا جائز ہے، اسی طرح تورق میں بھی جواز ہونا چاہئے۔

۴-عقود، شروط اور بیوع میں اصل اباحت ہے اور بیع تورق بھی ایک عقد ہی ہے جس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لہٰذا وہ اپنی اصل (اباحت) پر باقی رہے گا۔

۵-جن علماء نے تورق کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے انہوں نے اس کو بیع عینہ پر قیاس کیا ہے، حالانکہ یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ بیع عینہ کی حرمت کی علت (اس کا سودی قرض کا ذریعہ اور وسیلہ ہونا) اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔

**مانعین جواز کے دلائل**:

۱-عـن عـلـي رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم "نهى عن بيع المضطر"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضطر کی بیع سے منع فرمایا ہے، اوران حضرات کے بقول یہ بھی حالت اضطرار کی بیع ہے لہٰذا ناجائز ہوگی۔

۲-"إنما الأعمال بالنيات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، نیز فقہ کا ایک اصول ہے "الأمـور بـمقاصدها" امور میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ یہاں بیع تورق میں بائع ومشتری دونوں کی نیت خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ خرید وفروخت صرف تحلیل ''ربوا'' کے لیے ہے، مشتری کو قرض کی ضرورت ہے اور بائع قرض دیکر نفع اٹھانا چاہتا ہے۔

۳-عدم جواز کے قائلین میں علامہ ابن القیم علیہ الرحمہ بھی ہیں جو تورق کو صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام قرار دیتے ہیں، وہ اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں اپنی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں "الـمـعـنـى الـذي لأجـلـه حـرم الـربـوٰ موجود فيها بعينه مع زيادة الكلفة بشـراء السـلعة وبيعها والخسارة فيها" جس علت کی وجہ سے ربو کو حرام قرار دیا گیا ہے بعینہ وہی علت بیع تورق میں بھی پائی جاتی ہے، نیز خرید وفروخت اور اس میں خسارہ کی کلفت ومشقت مزید ہے۔ (اعلام الموقعین جلد۳ صفحہ۱۸۲)

**راجح قول:**

حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے سے جو بات اقرب اِلی الصواب معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ کہ تورق مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر جائز ہونا چاہئے۔

(۱) تورق سے مشتری کی نیت تحلیل ربو نہیں بلکہ اس سے بچنا اور دوری اختیار کرنا ہے، لہٰذا "انمـا الاعمـال بـالنيـات" اور "الامور بمقاصدها" والا اصول بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) تورق کو بیع مضطر کہنا بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اس قبیل سے نہیں بلکہ حاجت اور ضرورت کی قبیل سے ہے، چنانچہ امام خطابی اپنی کتاب ''معالم السنن'' اور علامہ ابن الاثیر اپنی کتاب "النهاية فی غـريـب الحديث والأثر" میں تحریر کرتے ہیں "بيـع المـضطر يـكـون مـن وجهيـن : أحدهما أن يضطر إلى العقد من طريق الإكـراه عليه ، فهذا فاسد لاينعقد، والثانی أن يضطر إلى البيع لـديـن يـركبه أومؤنة ترهقه فيبيع مافی يده بالوكس من أجل الضرورة"۔

بیع مضطر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک یہ کہ اسے عقد پر مجبور کیا جائے دوسرے یہ کہ کسی بوجھل کردینے والے قرض یا پریشان کن نفقہ (خرچ) کی وجہ سے بیع پر مجبور ہوجائے اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہو ضرورتاً اسے کم قیمت پر فروخت کردے۔

نیز حدیث مضطر سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے، چنانچہ امام خطابی فرماتے ہیں: "فـی اسـنـاده رجـل مجهول"۔ (معالم السنن جلد ۳ صفحہ ۸۷)

(۳) رابطہ عالم اسلامی کی "المـجمع الفقهی الاسلامی" نے اپنے پندرہویں اجلاس منعقدہ ۱۱ر رجب ۱۴۱۹ھ بمقام مکہ مکرمہ میں جو قرارداد یں پاس کیں اس میں ایک یہ تھی "أن بيع التورق جائز شرعاً وبـه قـال جمهور العلماء لأن الأصل فی البيوع الاجابة لقول الله أحل البيع وحرم الربو"۔

''بیع تورق شرعاً درست ہے، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، اس لیے کہ بیوع میں اصل اباحت ہے، فرمان باری تعالی کی وجہ سے ''اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے''۔

نیز مملکت عربیہ سعودیہ کی "اللـجـنة الـدائمة للبحوث العلمية والافتـــاء" نے بھی اپنے فتوی نمبر ۱۶۴۰۲ر کے آٹھویں سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے: "أمـا مسئـلة التـورق فـمحـل خـلاف والـصحيح جوازها" اسی طرح سعودیہ عربیہ کے سب سے پہلے مفتی شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ صالح عثیمین نے بھی چند شرائط کے ساتھ جواز کا فتوی دیا ہے۔

**تورق بذریعه بینک:**

جہاں تک اس تورق کا تعلق ہے جو اسلامی بینکوں نے جاری ورائج کیا ہے وہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر شرعاً ناجائز ہے۔

۱- اس میں بیع عینہ (جو شرعاً ممنوع ہے) سے مشابہت پائی جاتی ہے، نیز اس کو تورق (جس کی صراحت فقہاء نے کی ہے) کہنا مشکل ہے کیونکہ سوالنامہ میں جو مشکل بیان کی گئی ہے کہ مثلاً زید کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہے، تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خریدتا ہے اور اسے بکر سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح زید کو ایک لاکھ روپئے کی رقم حاصل ہوجاتی ہے، اور بکر کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر بکر بھی بینک ہی سے منسلک ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے بھی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے، اگرچہ اس میں ظاہراً الگ الگ فریق سے بیع نظر آرہی ہے لیکن وہ بالواسطہ بائع اول ہی کا خریدنا ہے جو کہ ایک طرح کا سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے۔

۲- نیز ضرورت مند اور محتاج کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے دو بیع کرنا لازم ہے اور حدیث شریف میں اسی سے منع کیا گیا ہے: "نهـی رسـول الله صلی الله عليه وسلم عن بيعتين فی بيعة" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه نهی رسول الله صلی الله علیه و سلم عن صفقتین فی صفقة"۔

۳- یہ معاملہ اکثر و بیشتر حالات میں اس شرعی قبضہ (جو معاملہ کی صحت کے لئے لازم ہے) سے خالی ہوتا ہے۔

**خلاصہ بحث:**

خلاصہ کلام یہ کہ تورق جائز اور عینہ ناجائز ہے، لیکن بینکوں نے تورق کا جو طریقہ رائج کیا ہے وہ صرف نام کا تورق ہے، فی الحقیقت وہ عینہ ہی ہے، اس لیے وہ ناجائز اور حرام ہے، الا یہ کہ اس کو خالص تورق کی شکل دے دی جائے۔

البتہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "لو اشتری و کیل البائع بأقل من الثمن الأول جاز عنده خلافا لهما لأن تصرف الو کیل عنده یقع لنفسه فلذا یجوز للمسلم أن یؤ کل ذمیاً بشراء خمر و بیعها عنده و عندهما عقد الو کیل کعقده"۔

اگر بائع اول کا وکیل ثمن اول سے کم پر خرید ے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، برخلاف صاحبین کے، اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف خود اسی کے لیے ہوتا ہے، اسی لیے مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ ذمی کو شراب کی خرید و فروخت کا -امام صاحب کے نزدیک- وکیل بنائے اور صاحبین کے نزدیک وکیل کا عقد موکل کے عقد کی طرح ہے، اس اعتبار سے اگر ذیلی بینک عمر کو مرکزی بینک زید کا وکیل مان لیا جائے تو اسلامی بینکوں کی طرف سے جاری کردہ تورق کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہئے، نیز اس لئے بھی کہ موجودہ زمانے میں جہاں ہر طرف سودی کاروبار زوروں پر ہے اور سودی لین دین اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے، اگر حلال متبادل نہ فراہم کئے گئے تو لوگ حرام اور سودی طریقے اختیار کریں گے، لہٰذا امام صاحب کے قول کو اختیار کر کے بینکوں کی طرف سے جاری کئے ہوئے تورق کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿بقیہ پچھلا صفحہ ۳۲ کا﴾ خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اور وہ دنیا میں کتنے ہی کم رتبہ نظر آتے ہوں، حقیقت میں وہی لوگ کامیاب ہیں، کیونکہ دنیا کی یہ مختصر سی زندگی جیسے تیسے گزر جائے گی اور ہر شخص کی زندگی گزر ہی جاتی ہے، لیکن موت کے بعد کی جو زندگی ہے وہ ہمیشہ کی زندگی ہے، جہاں کبھی موت نہیں آئے گی، اس لیے جو لوگ اس حقیقت سے واقف ہوتے ہیں وہ اپنی دنیوی زندگی کو اخروی کے تابع کر دیتے ہیں، اب ان کو اس راہ میں جو بھی مشکلات پیش آتی ہیں وہ ان کو خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں اور کسی قسم کا حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے، یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیتا ہے اور ان کو دونوں جہاں میں کامیاب کر دیتا ہے۔

ان نیک اور شریف لوگوں کے برعکس ان لوگوں کا کیا ہوگا جو اللہ کی حاکمیت کو چیلنج کرتے ہیں اور اللہ کو یا تو مانتے ہی نہیں یا پھر اس کے ساتھ سیکڑوں معبودوں کو شامل کر کے اس کی حاکمیت کو چیلنج کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ موت ان کا پیچھا کر رہی ہے اور جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے وہ ایک ان سے ان کی پوری زندگی کا حساب لے گا اور پھر انہیں معلوم ہوگا کہ انہوں نے جس زندگی کو عیش پرستی میں، کھانے پینے میں، کھیلنے کودنے میں گزار دیا تھا اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کو چیلنج کیا تھا وہ زندگی تو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے اور اس کی عبادت کے لیے تھی، یہ لوگ اس دن افسوس کریں گے اور ان میں سے ہر شخص کہے گا۔

اے کاش! میں مٹی ہو گیا ہوتا، لیکن اس دن پچھتانے اور افسوس کرنے سے کچھ نہیں ہوگا اور گنہگاروں کو ان کے کئے کی سزا مل کر رہے گی، اگر اس سزا سے بچنا ہے تو پھر انسان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرے، اسلام پر عمل کرے، قرآن کو اپنی زندگی میں داخل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرے، تا کہ اللہ اس کو اپنی رحمتوں میں داخل کر لے۔ ❀❀❀❀❀

# علماء کے لیے انگریزی سیکھنا وقت کی ایک اہم ضرورت

مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی استاذ شعبہ انگریزی مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

موجودہ دور میں بین الاقوامی طور پر انگریزی زبان عالمی زبان کی حیثیت حاصل کر چکی ہے، تہذیب و ثقافت، تعلیم و تعلم، سائنس وٹیکنالوجی، تجارت و اقتصادیات، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس زبان کا چلن ہے اور اس کا میدان روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے، یہاں تک کہ ماہرین لسانیات کا دعوی ہے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبان ہے۔

علماء کرام عربی، اردو اور اسلامی علوم کے شناسا تو ہوتے ہیں اور وہ اسلام کی صحیح روح سے واقف ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اسلام کو اس کے اصل سرچشمہ قرآن وحدیث سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن انگریزی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر وہ جدید تعلیم یافتہ حضرات سے گفتگو کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اردو اور اسلامیات سے نابلد مسلمانوں تک اسلام کی صحیح روح اور غیر مسلمین تک اسلام کی صحیح دعوت نہیں پہنچ پاتی ہے، چنانچہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان اور اسلام و غیر مسلمین کے درمیان خلیج بڑھتی ہی جا رہی ہے، شکوک وشبہات اور بدگمانیوں کا ایک سیل رواں ہے جو زندگی کے ہر شعبہ سے امن وسکون کو بہائے لے جا رہا ہے۔

اس ضمن میں حقیقت حال کو سمجھنے کے لئے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا واقعہ یاد کرنا چاہیے جب حضرت ایک مرتبہ بحری جہاز کا سفر کر رہے تھے، دوران سفر ایک عیسائی سے اسلام کے تعلق سے گفتگو ہوئی، حضرت کے علمی تعمق، اسلام کی روح شناشی اور قوت استدلال سے کون واقف نہیں؟ لیکن انگریزی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر ایک ترجمان کا سہارا لینا پڑا، ترجمان نے عمداً یا زبان پر مکمل دسترس حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کما حقہ ترجمانی نہیں کی، چنانچہ ایک ایسا آدمی جو اسلام کے قریب آ گیا تھا، اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا، اس ناکامی نے حضرت پر ایک ایسا اثر چھوڑا کہ انھوں نے واپسی پر اس زبان کو باضابطہ سیکھنے کا عزم فرمایا، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور آپ اس خواہش اور تمنا کو ساتھ لئے راہی ملک بقا ہو گئے۔

دوسرا واقعہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ہے جن کو اللہ نے اسلامی علوم کے علاوہ لسانیات میں بھی مہارت تامہ عطا فرمائی تھی، آپ ایک مرتبہ ہوائی جہاز سے سفر فرما رہے تھے، اسی دوران کسی ہمسفر سے اسلام کے متعلق بات ہوئی، آپ نے ان سے انگریزی زبان میں بات کی اور اسلام کا صحیح تعارف کرایا، اس کی حقانیت کو سمجھایا اور وہ صاحب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، حضرت تحدیث بالنعمت کے طور پر کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ دیگر حضرات تو زمین پر اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں؛ لیکن اس مالک نے مجھے فضا میں بھی دعوت دین کی توفیق عطا فرمائی۔

۱۱ر ستمبر کے بعد سے خصوصاً مغربی ممالک اور عموماً پوری دنیا میں اسلام کے جاننے اور اس کے مختلف موضوعات پر بحث وتحقیق کا جو شوق ہوا ہے، وہ بھی مستقبل میں ایک عظیم انقلاب کی پیشین گوئی کرتا ہے، آج پوری دنیا اسلام سیکھنے کے لئے بیتاب ہے، یقیناً انگریزی داں حلقے میں بھی بہت سے ایسے افراد ہیں جو داعیانہ فکر کے حامل ہیں اور وہ اپنی بساط کے مطابق ان کی تشنگی دور کرنے کی مبارک کوشش کر رہے ہیں؛

لیکن انھیں بھی اس سلسلے میں مختلف قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ کیونکہ انھوں نے خود اسلام کو اس کے اصل سرچشمہ یعنی قران و حدیث سے نہیں سیکھا ہے اور عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر وہ اس پر قادر بھی نہیں، اس لیے اگر علماء کرام انگریزی زبان سیکھیں تو وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کر سکتے ہیں۔

دوسری طرف مستشرقین یہود ونصاری نے اسلام کی بیخ کنی کے لئے اسلام کا مطالعہ کیا اور انھوں نے اسلام پر بیجا اعتراضات کئے، ماہرین علوم اسلامیہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کے اعتراضات اسلام کے روشن چہرے کو غبار آلود نہیں کر سکتے؛ لیکن ان کی زیادہ تر تحقیقات انگریزی زبان میں ہیں، چنانچہ ان کا مدلل اور محقق جواب نہیں مل پاتا اور ہمارا انگریزی داں طبقہ جو اسلامی علوم سے مکمل طور پر واقف نہیں ہے ان سے غلط نتائج اخذ کرتا ہے اور نتیجتاً وہ فکری ارتداد کا شکار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس زمانے میں بہت ضروری ہے کہ ہمارے علماء جو علوم قرآن وحدیث سے بھی مکمل واقفیت رکھتے ہیں، انگریزی زبان میں مہارت حاصل کریں، تاکہ وہ وسیع پیمانہ پر اپنے دعوتی فریضہ کو انجام دے کر اسلام کا صحیح تعارف کرا سکیں اور مستشرقین کی ریشہ دوانیوں کا صحیح جواب بھی دے سکیں، ماضی قریب میں ہمارے اکابرین نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور مختلف ادارے قائم کئے، اس ضمن میں سب سے اچھی پیش رفت حضرت مولانا بدرالدین اجمل علی القاسمی رکن شوری دارالعلوم دیوبند وصدر کل ہند جمہوری متحدہ محاذ کی طرف سے ہوئی ہے، انھوں نے سب سے پہلے علماء کو انگریزی زبان اور جدید علوم سے آراستہ کرنے کے لئے ۱۹۹۴ء میں نئی دہلی میں مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سنٹر کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، یہ ادارہ اب ممبئی منتقل ہو چکا ہے اور کامیابی کے ساتھ اپنے مشن کو پورا کر رہا ہے، اب تک تقریباً دوسو علماء کرام اس سے تربیت پا کر ملک و بیرون ملک میں قوم وملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور اسلام کے عالمی پیغام کو عالمی زبان میں پھیلا رہے ہیں، یہاں کا نظام اور نصاب کچھ اس ڈھنگ سے مرتب کیا گیا ہے کہ دو سال میں علماء کرام انگریزی لکھنے، بولنے اور سمجھنے پر مکمل طور پر قادر ہو جاتے ہیں، تین سال قبل مرکز المعارف نے انگریزی زبان میں ایک مجلّہ بھی جاری کیا جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد مجلّہ ہے اور پوری بے باکی کے ساتھ مسلم مسائل کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

مرکز کے بعد بہت سے اداروں نے اسی کے نہج پر اس کورس کو جاری کیا، مثلاً ۲۰۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند، جمعیت شباب اسلام لکھنؤ، مرکز اسلامی انکلیشور گجرات، جامعہ جلالیہ ہوجائی آسام، معہد الاسلامی حیدرآباد، مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارن پور، مدرسہ سلیمانیہ کاندھلہ، مظفرنگر اور معہد الاسلامی مانک مئو، سہارن پور نے بھی اس مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے شعبۂ انگریزی قائم کیا، یہ سب کے سب ادارے پوری کامیابی کے ساتھ علماء کرام کی تربیت میں لگے ہوئے ہیں اور امت کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ تیار کر رہے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ کام مزید وسیع ہو اور علماء کرام زیادہ تعداد میں اس طرف توجہ دے کر وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کریں، اور دنیا کی انٹرنیشنل زبان کو سیکھ کر اسلام کی اشاعت اور قرآن وحدیث کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کریں اور مستشرقین کی طرف سے اسلام کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا صحیح اور دنداں شکن جواب دے سکیں، بس اللہ تعالی ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ❁❁❁


## گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔

اظہار حقیقت

# جامعہ ہدایت جے پور ایک تعارف

مولانا سید محمد عدنان رحیمی

## قابل قدر حضرت مولانا محمد مسعود عزیزی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گذشتہ دنوں آپ کی زیر ادارت شائع ہونے والے اردو مجلّہ ''ماہنامہ نقوش اسلام'' میں آپ کا مضمون نظر سے گزرا، جس میں آپ نے اپنے دورہ راجستھان کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے، اسی مضمون کے متعلق چند باتیں عرض کرر رہا ہوں:

آپ نے اس مضمون میں ''سفر ٹونک جے پور'' کے تحت ہندوستان کے مشہور ومعروف تعلیمی مرکز جامعہ الہدایۃ کے سلسلہ میں اپنے تأثرات تحریر کئے ہیں، مجھ کو یہ خط اسی حصے کی بابت تحریر کرنا ہے۔

آپ نے تحریر کیا ہے کہ آپ کو وہاں کی مسجد دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ ٹین شیڈ پڑا ہوا تھا، جب کہ اس سے قبل آپ دو بڑی بڑی لق ودق عمارتوں کے سامنے سے ہوکر گزر رہے تھے، کیا آپ نے ان دونوں کو بھی اور خاص کر مرکزی عمارت کو اندر سے دیکھا؟

آپ کے مضمون سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ان عمارتوں کو اندر سے دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائیں، یا چھٹی ہونے کی وجہ سے دیکھ نہ سکے، اگر آپ دیکھ لیتے تو بہتر ہوتا اور اس وقت شاید بلکہ یقیناً آپ کا تأثر دوسرا ہوتا، یا کم سے کم وہ نہیں ہوتا جو نہ دیکھنے پر ہوا۔

رہی بات مسجد کی تو جن قانونی دقتوں اور مشکل حالات کا سامنا جامعہ کو کرنا پڑا ہے اور پڑ رہا ہے کم ہی اداروں کو ہوا ہوگا، وہاں گذشتہ ۲۵ ؍ برس سے تعمیرات پر مکمل پابندی ہے، سب سے زیادہ تعجب آپ کے ہمسفر مولوی صاحب کے ریمارک پر ہوا، بیچارے مولوی صاحب شاید جامعہ کے حالات سے واقف نہیں یا واقف ہیں لیکن تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں، جامعہ کی مجوزہ مسجد کی بلڈنگ اگر آپ دیکھیں تو یقیناً یہ کہیں گے کہ ہندوستان کے کسی ادارے میں ایسی مسجد نہیں ہوگی، لیکن حکومت کی بندش کی وجہ سے انتظامیہ کچھ نہیں کر پا رہی ہے۔

جامعہ پہنچ کر زائرین کو سب سے زیادہ جس چیز کی طلب ہوتی ہے وہ یہ کہ وہاں کا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم قریب سے دیکھا جائے اور کیا نیا تجربہ وہاں کیا گیا ہے، اس سے مستفید ہوا جائے، اس لیے زائرین حضرات ایسے وقت میں جاتے ہیں جب کہ تعطیلات نہیں ہوتی، آپ ایسے وقت میں پہنچے جب کہ وہاں تعطیلات تھیں، اس لیے یقیناً آپ کو اس کا موقع نہیں ملا ہوگا، لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ آپ ایسے وقت میں جائیں اور اس کا دورہ کریں جب کہ وہاں تعطیلات نہ ہوں، میں چاہوں گا کہ اس مناسبت سے کچھ فارغین کے بارے میں بتادوں کہ کس طرح ایک مدرسے سے نکلنے والا طالب علم کسی بھی میدان میں کامیابی کے ساتھ فٹ ہوسکتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ دنیاوی مشاغل میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، آج وقت کو ایسے ہی افراد کی ضرورت ہے:

(۱) جناب مولانا محمد عامر صاحب ندوی رحیمی، مؤسس الجمعیۃ المحمدیہ للتعلیم والرعایۃ الاجتماعیۃ، بانی محمدیہ گرلس اسکول و مدرسہ امام ابی الحسن الندوی اور مرکز الامین الاسلامی للبنات وغیرہ۔

مولانا بھی جامعۃ الہدایۃ سے فارغ اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فاضل ہیں، فی الحال کویت میں جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ کویت میں پروجیکٹ ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ ہیں۔

(۲) جناب مولانا محمد فیصل صاحب رحیمی ندوی، جو کہ جامعۃ الہدایۃ سے فارغ ہیں اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فاضل ہیں، فی الحال مدینہ منورہ جیسی مقدس سرزمین پر درس وتدریس کے کام کے

ساتھ اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں۔

(۳) جناب مولانا محمد عادل صاحب رحیمی ندوی، جو جامعہ ہدایۃ سے فراغت کے بعد ندوہ سے فاضل ہیں اور اس وقت ریاض میں دارالقضاء میں مراجع پر کام کر رہے ہیں۔

(۴) جناب مولانا محمد نعمان صاحب رحیمی فی الحال کویت میں منسٹری آف انفارمیشن کی ایک اچھی پوسٹ پر فائز ہیں اور ایک پٹرولیم کمپنی میں بھی اچھی جگہ پر ہیں۔

(۵) جناب مولانا محمد رفیق صاحب رحیمی جو کہ جے پور میں اپنے نگینے کے کاروبار کے ساتھ ساتھ انگلش فرنچ زبان کے ماہر ٹرانسلیٹر ہیں
۔

(۶) جناب مولانا جوہر علی صاحب رحیمی جو اس وقت جے پور میں کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ چلا رہے ہیں جس میں سافٹ ویئر کے ساتھ ساتھ ہارڈ ویئر کی بھی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔

(۷) جناب مولانا شہاب الدین صاحب رحیمی جو جے پور میں ہی درس وتدریس کے ساتھ امام وخطیب کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۸) جناب مولانا محمد شاکر صاحب رحیمی جو قطر میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۹) جناب مولانا محمد امجد صاحب رحیمی ایک عرصہ سے درس وتدریس سے وابستگی کے ساتھ ساتھ انگلش، عربی ٹرانس لیٹنگ کرتے تھے، اب قطر میں عربک انگلش ٹرانس لیٹنگ کی پوسٹ پر ہیں۔

(۱۰) مولانا محمد آصف صاحب رحیمی (علیگ) جنھوں نے فراغت کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے ان انگلش کیا اور اب سعودیہ کی ایک یونیورسٹی میں انگلش لیکچرار ہیں اور وہاں عرب طلبہ کو انگلش کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۱) مولانا محمد عامر صاحب رحیمی کانپوری کئی سالوں تک انگلش پڑھایا اور اب ریاض میں اپنا بزنس کر رہے ہیں۔

(۱۲) مولانا کمال الدین صاحب رحیمی جامعہ ہدایہ سے فراغت کے بعد وہیں پر الیکٹرونک کا کورس کیا اور فی الحال مکہ مکرمہ میں حرم کے سامنے والے ٹاور میں الیکٹرونک انجینئر ہیں۔

(۱۳) جناب مولانا محمد علی صاحب رحیمی افتاء کرنے کے بعد اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اپنا ماربل (پتھر) کا بزنس بھی کر رہے ہیں۔

(۱۴) جناب مولانا محمد حسین صاحب رحیمی نے کافی عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دئے، اس کے بعد اب قطر میں سروس کر رہے ہیں۔

(۱۵) مولانا محمد کفیل رحیمی اور مولانا نوشاد رحیمی صاحبان اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں حدیث میں فضیلت کر رہے ہیں۔

(۱۶) مولانا محمد سلمان صاحب رحیمی بھی جامعہ ہدایۃ سے فراغت کی ہیں، اور ڈی، سی، اے اینڈ ڈی ٹی، پی، ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلیکیشن اینڈ ڈیسک ٹاپ پبلیشنگ، بھی جامعہ سے کرنے کے بعد کمپیوٹر ہارڈ ویئر اور نیٹ ورکنگ کی اور لکھنؤ میں دو سال سروس کرنے کے بعد اب قسم المشاریع جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ کویت میں ہیں۔

جامعہ ہدایۃ ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے اور مسلمانوں کے تعلق سے اور خاص کر تعلیمی میدان میں مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لیے جو اقدامات یہاں سے کئے جا رہے ہیں وہ نہ صرف قابل ستائش ہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہیں۔

جو مختلف ادارے جامعہ کے تحت کام کر رہے ہیں ان میں قابل ذکر ہیں: (مولانا عبدالرحیم ایجوکیشنل ٹرسٹ) جو کہ انگلش میڈیم اسکول جے پور میں چلا رہا ہے جس میں اس وقت ۳۰۰۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

دوسرا ادارہ (CRSCENT ACDAMEY) جو CompetitiveExam کی تیاری کراتا ہے اور اس ادارہ سے اب تک تقریبا ۱۶/I A S بن کر نکل چکے ہیں، تیسرا ٹرسٹ (مولانا عبدالرحیم Charitable Trust) جس کے تحت Charity کا بڑا کام کیا جا رہا ہے اور اس وقت وہ راجستھان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا CharitableTrust ہے۔

جامعہ کے سلسلہ میں مزید معلومات کے لیے آپ لاگ آن کر سکتے ہیں http://www.jameatulhidaya.org

اس درمیان میں اگر کوئی گستاخی ہوئی ہو تو معذرت چاہوں گا۔

سیرت صحابہ

# انصار مدینہ کا نبی سے عشق

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

پہلی اسلامی درسگاہ کے فیض یافتہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کے شاگردان رشید جنھوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آنیوالے مہاجرین صحابہ کرام پر اپنا تمام اثاثہ خرچ کرکے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کے وطن سے زیادہ ان کو پیار دیا، ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھولدیئے اور انہیں اس دکھ کے وقت سہارا دیا انصار کہلاتے ہیں، اللہ تعالی کو ان کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ انہیں اس قدر بلند مقام نصیب فرمایا کہ وہ آج تک دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش نصیب اور بلند ستارہ شخصیات ہیں، خدا کی رحمتوں کی بارش دن رات ان پر ہورہی ہے، اللہ تعالی ان کی تعریف فرمارہے ہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں: "والذین آووا ونصروا اولئك هم المومنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم"۔ (سورہ انفعال پارہ ۱۰ ر رکوع ۶)

اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنیوالے ہیں ان کے لیے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

دوسری آیت میں حق سبحانہ وتعالی انصار کی مہاجرین سے محبت کا تذکرہ عجیب انداز سے فرماتے ہیں: " والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجرالیهم الخ اور جولوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر (مدینہ طیبہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں، ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں حتی کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کے لیے تیار ہیں۔

**انصار مدینہ کی شجاعت:**

سن ۲ ہجری میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ مشرکین قریش بڑی تیاری سے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونیوالے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کرکے مشورہ کیا، مہاجرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور پرجوش تقریریں کیں مگر انصار خاموش رہے حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سوال فرمارہے ہیں کہ انصار کا ارادہ بھی ظاہر ہو حضرت سعد بن معاذ سمجھ گئے کہ حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی رائے جاننا چاہتے ہیں، اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا اشارہ شاید ہماری طرف ہے، ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی رسالت کی تصدیق کی، اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق اور درست ہے، ہم نے سمع وطاعت پر آپ سے بیعت کی ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے پیارے نبی کفار کے مقابلہ کو جائیں اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم بے دریغ کود پڑیں گے، ہمارا ایک آدمی بھی گھر میں نہ بیٹھے گا یہ کفار تو انسان ہی ہیں ہم ان سے ڈرنے والے نہیں ہیں، ہمیں لڑائی سے کوئی خوف نہیں انشاء اللہ آپ ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم پائیں گے۔ (زرقانی جلد اول صفحہ ۴۷۹)

**حضرت سعد بن عبادہ کی انوکھی اور نرالی شجاعت اور بہادری کے کلمات:**

اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ کی زبان سے جو فقرے نکلے ان سے ان کے جوشِ عقیدت، خلوص ومحبت نیز وفاداری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے آپ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر آپ کا حکم ہو کہ ہم سمندر میں گھوڑے ڈالدیں تو ہم ڈالدیں گے، حکم ہو کہ ہم (یمن کی سمت والے مقام) برک الغماد پر اپنی سواریوں کو لیجا کر دھاوا بولدیں، تو ہم دھاوا بولدیں گے۔

اپنے اصحاب سے نصرت کے یہ الفاظ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے "فرأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم اشرق و جھہ و سرہ" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو فرط مسرت سے چمکتے ہوئے دیکھا۔(مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ البدر، جلد۲ رصفحہ۱۲)

**حضرت مقداد بن عمرو کا اظہار عقیدت:**

اس موقع پر حضرت مقداد بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت وعقیدت ظاہر کرنے کے لیے جو چند الفاظ کہے وہ تمام تقریروں پر بھاری تھے۔

"لانقول کما قال قوم موسی اذھب انت وربك فقاتلا ولکنا نقاتل عن یمینك وعن شمالك وبین یدیك وخلفك" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم موسی علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہیں جو کہہ دیں کہ دشمن سے تو اور تیرا اللہ لڑے اور ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے، خدا کی قسم جب تک ہماری جان میں جان ہے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بڑے لمبے قد کے اور تندرست شخص تھے حوصلہ اور دلیری کیوجہ سے مشہور تھے، اسلام کے اس جیالے سپاہی سے نصرت کے یہ الفاظ سنے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ اقدس فرط مسرت سے چمک اٹھا۔(بخاری شریف کتاب المغازی باب غزوہ بدر)

**جنت میں رفاقت نبی:**

انصار مدینہ یوں تو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کے لیے تیار رہتے تھے؛ لیکن میدان احد میں انہوں نے بحیثیت قوم جو کارنامے انجام دیئے وہ بڑے بے مثال تھے، یہ وہ موقعہ تھا جب حب مصطفیٰ اور عشق مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جان دینے سے کم کسی چیز کی گنتی نہیں تھی، انصار نے بے دریغ جانیں بھی پیش کردیں اور خوشی خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربان ہوگئے۔

مشرکین کے سخت حملے نے جب مسلمانوں کو منتشر کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب صرف دو قریشی (حضرت طلحہ اور حضرت سعد) اور سات انصار رہ گئے تو کفار نے بھاری تعداد سے آپ پر حملہ کردیا، اس حملہ کو دیکھ کر آپ نے ان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کون ہے جو انہیں ہٹائے؟ اس کو جنت میں میری رفاقت ملے گی، یہ سن کر ایک انصاری آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے؛ لیکن کفار کا زور کم نہ ہوا، آپ نے پھر وہی جملہ فرمایا کون ہے جو انہیں ہٹائے؟ جنت میں وہ میرے ساتھ ہوگا، پھر ایک انصاری نکلے اور کفار کے مقابلہ میں اس طرح آئے کہ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہوگیا وہ بھی اسی طرح شہید ہوگئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات کہی پھر ایک انصاری نکلے اور کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے، غرضیکہ ساتوں انصاری اسی طرح شہید ہوگئے، لیکن ان کے جان دینے کے اس فیصلہ نے ان کو اتنا بہادر بنادیا تھا کہ انہوں نے قریش کے حوصلے پست کردئے اور قریش ان کے جاں فروشانہ حملوں کی تاب نہ لاکر پسپا ہوگئے، اسی دوران دوسرے مسلمان بھی اکٹھا ہوگئے اور آپ کے گرد جان نثاروں کا ایک حلقہ پھر قائم ہوگیا۔(رسول رحمت)

**انصار کے لیے دعاء خیرالبشر:**

احد کے میدان میں ستر بلند مرتبہ صحابہ نے شہادت پائی ان میں

بھاری تعداد انصار کی تھی، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ بھی تھے، تعزیت کے لیے انصار کی عورتیں آئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے اس انتہائی خلوص کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے اور دعا فرمائی اے اللہ! تو انصار پر رحمتوں کی بارش فرما، ہر ایک سے اخلاص اور ہمدردی کا سلوک ان کا شیوہ ہے اور غم نصیبوں کی غمگساری ان کی خصلت بن گئی ہے، یہ ہر ایک کا ساتھ دینے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

**بس ہمارے لیے اللہ کا رسول کافی ہے:**

سن ۸ھ ہجری میں حنین کے معرکہ میں مجاہدین اسلام کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، اس میں مال غنیمت میں بہت سے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ مال غنیمت تقسیم کیا تو مکہ کے نومسلموں کی تالیف قلوب کے لیے انہوں نے نسبتاً زیادہ حصہ دیا، اس بات کو کچھ انصاری نوجوانوں نے محسوس کیا اور آپس میں چرچہ ہوا کہ چونکہ قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں اس لیے ان کو مال غنیمت میں زیادہ حصہ دیا گیا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے لوگوں کی یہ شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیان کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار کو اکٹھے کر کے فرمایا یا معشر الانصار! کیا تمہارے خیال اس مردار دنیا کی طرف دوڑ گئے ہیں، میں نے تو ان لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے ان کے ساتھ احسان کیا ہے کہ وہ دل سے اسلام قبول کر لیں، تم پر میں اس لیے بھروسہ کرتا ہوں کہ تمہارا ایمان مضبوط ہے اور یہ مردار دنیا تمہاری نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

اے جماعت انصار! تمہارا خیال ہے کہ میں نے اہل مکہ کو اپنے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے زیادہ حصہ دیا ہے، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، اللہ تعالی نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ تعالی نے میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس اور پریشان حال تھے اللہ تعالی نے میرے ذریعہ تم کو دولت مند کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرماتے جاتے تھے اور انصار کہتے جاتے تھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہم پر سب سے بڑھکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! تمہارے پاس میری اس بات کا جواب ہے، تم مجھے اس طرح جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو آپ کو ہم نے پناہ دی، آپ مفلس اور لاچار آئے تھے ہم نے آپ کی مدد کی، جب تم مجھے یہ جواب دو گے تو میں کہوں گا کہ بے شک تم سچ کہتے ہو۔

اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر جاؤ، اتنا سننا تھا کہ انصار بے اختیار چیخ پڑے، بس ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں، ہمیں اور کچھ نہیں چاہئے، روتے روتے ان کی آنکھیں ابل پڑیں، داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں، ایسی رقت طاری ہوئی کہ ہر شخص روتا تھا اور کہتا تھا، بس ہمارے لیے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے، آپ نے فرمایا کہ اے انصار جب لوگ دوسرے راستہ پر چلیں گے تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں انصار کے راستہ پر چلوں گا، پھر آپ نے انصار کے لیے دعا فرمائی: "اللھم ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار" اے اللہ تو انصار کو اپنے رحم وکرم سے نوازنا اور ان کے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو بھی رحم وکرم سے نوازنا۔ (بخاری شریف باب الغزوہ صفحہ ۶۲۰ / فتح الباری جلد ۸ / صفحہ ۴۱)

❁❁❁❁❁

uloom\Album DU\Tii Files\A014.TIF not found.

حالات حاضرہ

# عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

## مرکز کے شعبہ انگریزی کے فضلاء کی رائے پور حاضری

۱۴/جنوری بروز جمعرات کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد کے شعبہ انگریزی ''ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر'' کے تمام شرکاء اپنی اصلاحی تربیت کے لئے رائے پور کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، یہ قافلہ جمعرات کو ظہر کی نماز کے بعد مرکز سے روانہ ہوا، اور عصر کی نماز کے وقت وہاں پہنچا، مرکز کے روح رواں حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب کے زیر تربیت انہوں نے وہاں ذکر واذکار کے ماحول میں رات گزاری اور جمعہ کی صبح کو مرکز واپس آئے۔

## مرکز میں یوم جمہوریہ کا جشن

۲۶/جنوری بروز منگل ۲۰۱۰ء مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد (سہارنپور) میں ۲۶/جنوری کا پروگرام بڑی دھوم دھام سے منایا گیا، جس میں مسلم وغیر مسلم لوگوں نے شرکت کی، یوم جمہوریہ کی تقریب کا افتتاح حضرت مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری نے ترنگا جھنڈا لہرا کر کیا، اس کے بعد بچوں نے ۲۶/جنوری کے عنوان سے اپنا ثقافتی پروگرام پیش کیا۔

## مرکز کے شعبہ انگریزی کا تقریری مقابلہ

۲۶/جنوری بروز منگل ۲۰۱۰ء مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد کی جامع مسجد کے صحن میں مرکز شعبہ انگریزی ''ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر'' کا تقریری مقابلہ ہوا، اس پروگرام میں ان فضلا نے مختلف عناوین سے تقریریں کیں، پروگرام کے ایک حکم مستحکم چنڈی گڈھ کر سابق وکیل ومنیجر بینک آف انڈیا جناب بابو مام چند نے انجام دی، دوسرے حکم مرکز کے شعبہ انگریزی کے استاذ مولانا محمد اسجد قاسمی نے انجام دی، اور پروگرام کی نظامت کے فرائض مرکز کے انگریزی کے استاذ مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی نے انجام دئے، پوزیشن لانے والے طلبہ میں اول پوزیشن مولانا محمد احسان دانش قاسمی مظفرپوری، دوم پوزیشن مولانا عبداللہ قاسمی دربھنگوی، تیسری پوزیشن حلیم الدین رشیدی آسامی نے حاصل کیا، پروگرام صبح گیارہ بجے سے لے کر شام ڈھائی بجے تک جاری رہا، پروگرام میں علاقہ کی مقتدر شخصیات نے شرکت کی اور اپنے اپنے تأثرات کا اظہار کیا اور مولانا محمد عمر صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

واضح رہے کہ امسال مرکز میں فضلائے مدارس کے لیے انگریزی کے دوسالہ کورس کا اجراء ہوا، جس میں فضلاء ندوہ، مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند انگریزی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

## جرمن یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم کی تجویز

جرمنی کے اعلی تعلیمی حکام نے ایک ایسے منصوبہ کا اعلان کیا ہے جس کے تحت مسلمان طلباء کو یونیورسٹیوں میں اعلی اسلامی تعلیم دئے جانے کی تجویز پیش کی گئی، ۲/سال کی تحقیق کے بعد جرمن کونسل برائے سائنس وآرٹس نے تجویز پیش کی ہے کہ جرمنی میں اعلی اسلامی تعلیم ویسے ہی دی جائے جیسے مسیحیت اور یہودیت کی تعلیم کے طریقہ کار میں اصلاحات تجویز کی گئی ہیں، اس رپورٹ کو مرتب کرنے والی مشاورتی کونسل نے کہا ہے کہ امام اور اسلامی اسکالر بننے کے لیے جرمن یونیورسٹی کی ڈگری لازمی قرار دی جائے، اس کونسل میں شامل اعلی حکومتی افسران اور شعبہ تعلیم کے ماہرین نے اپنی رپورٹ میں زور دیا ہے کہ جرمنی میں اسلامی تعلیم کے لیے ایک خصوصی ادارہ قائم کیا جائے جو ابتدائی طور پر ۲/یا ۳/ یونیورسٹیوں میں کام شروع کرے، اسلامی تعلیم مغربی طرز پر دئے جانے پر اسلامی دنیا کے کئی حصوں میں شکوک پائے جاتے ہیں، کئی مسلمان اسکالر کا کہنا ہے کہ دینی تعلیم میں تاریخ اور فلسفہ کی تشریح میں ذراسی تبدیلی سے بھی اصل پیغام مسخ ہوسکتا ہے۔

## برطانیہ کی سب سے بڑی مسجد کی تعمیر کا منصوبہ خلاف قانون قرار

لندن میں برطانیہ کی سب سے بڑی مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ خلاف قانون قرار دے دیا گیا ہے، برطانیہ میں ''نیوہم کونسل'' نے تصدیق کی ہے کہ اس میگا رپروجیکٹ کے منصوبہ کے خلاف احکامات جاری کردئے گئے ہیں، کونسل کے ترجمان کا کہنا ہے کہ منصوبہ کی خالق ''تبلیغی جماعت'' نے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مقررہ مدت کے اندر کا منصوبہ کا ماسٹر پلان جمع نہیں کرایا، یہ مدت گذشتہ ماہ ختم ہوگئی، ۱۲/ہزار نمازیوں کی گنجائش والی یہ مسجد مشرقی لندن میں اولمپک پارک کے نزدیک تعمیر کی جانی تھی، منصوبہ پر تعمیر روکنے کے لیے ۴۸/ہزار افراد نے متعلقہ محکموں میں عرض داشت جمع کرا رکھی تھی۔